سعید پارے

حکیم محمد سعید شہید کے مقبول کالم جاگو جگاؤ کا انتخاب

مرتبہ

مسعود احمد برکاتی

نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی

نام کتاب	:	سعید پارے
مصنف	:	حکیم محمد سعید
مرتب	:	مسعود احمد برکاتی
ناشر	:	نونہال ادب، ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی
طابع	:	فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، کراچی
اشاعت اول	:	۱۹۹۹ء
تعداد	:	دو ہزار
قیمت	:	۷۵ روپے

ترتیب

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

یہ کتاب کیا ہے؟

یہ کتاب معلوماتی نہیں ہے، نہ یہ کتاب تاریخی ہے، یہ کتاب سائنسی بھی نہیں ہے، یہ کتاب مذہبی بھی نہیں ہے، لیکن اس کتاب میں یہ سب باتیں بھی ہیں، کیوں کہ یہ کتاب ایک خزانہ ہے کام کی باتوں کا، ایسی باتوں کا خزانہ جو زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھاتی ہیں، جو کام یابی کے گُر بتاتی ہیں، جو سکون سے زندہ رہنے کے راز کھولتی ہیں، جو انسان کو پریشانیوں اور تکلیفوں سے بچاتی ہیں۔

یہ کتاب آسان زبان اور دل چسپ انداز میں پڑھنے والوں کو ایسے مشورے دیتی ہے جن پر عمل کر کے اچھی زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ یہ حکیم محمد سعید شہید کے ان چھوٹے چھوٹے مضامین کا مجموعہ ہے جو وہ نونہالوں کے لیے بڑی محبت سے لکھتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نونہالوں کو شروع ہی سے وہ راستے اور طریقے بتادیں جن کو اختیار کر کے نونہال اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن سکیں۔

"جاگو جگاؤ" نونہالوں کے دوست اور ہمدرد حکیم محمد سعید شہید کا مستقل نعرہ تھا۔ حکیم صاحب بچوں کے اچھے دوست اور سچے ہمدرد تھے۔

وہ چاہتے تھے کہ ہمارے بچے اچھے بچے بنیں۔ اسی لیے وہ ان کے لیے ایسی باتیں لکھتے تھے جو عام طور پر کتابوں میں نہیں ملتیں، بلکہ جو زندگی کے طویل تجربوں سے حاصل ہوتی ہیں، جو سوچنے سمجھنے کا نتیجہ ہوتی ہیں، جو اچھے اور بڑے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے سے معلوم ہوتی ہیں، جو سفر کرنے اور ملکوں ملکوں گھومنے پھرنے اور دیکھنے سے آتی ہیں، جو باکمال لوگوں کے خیالات اور ہدایات پڑھنے سے آتی ہیں، جو بزرگوں کی خدمت کرنے سے سمجھ میں آتی ہیں۔

حکیم صاحب نے "جاگو جگاؤ" کے عنوان سے یہ مختصر مضامین یا کالم لکھنے کا سلسلہ ۱۹۶۴ء سے ہمدرد نونہال میں شروع کیا تھا۔ تب سے وہ ہر مہینے یہ کالم پابندی سے لکھتے تھے۔ اس کالم کے متعلق نونہالوں کی رائیں جو دوسرے مہینے کے ہمدرد نونہال میں شائع ہوتی تھیں، حکیم صاحب توجہ سے پڑھتے تھے اور ان راؤں کا وہ اپنی آیندہ تحریروں میں خیال رکھتے تھے۔

"جاگو جگاؤ" کا یہ سلسلہ تو حکیم صاحب کی شہادت کے بعد بھی جاری رہے گا، کیوں کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پرانے کالم دوبارہ شائع کرتے رہیں گے۔ "جاگو جگاؤ" کا مجموعہ بہت پہلے اسی نام سے میں نے مرتب کیا تھا۔ پھر ۱۹۸۸ء میں ایک اور مجموعہ "کتاب دوستاں" کے نام سے مرتب اور شائع کیا۔ اس کا دیباچہ بھی حکیم صاحب نے "جاگو جگاؤ" کے عنوان سے لکھا تھا۔ اس میں حکیم صاحب نے دوستی کی تعریف بڑے دل چسپ انداز سے کی تھی۔ حکیم صاحب نے لکھا تھا :

> "دوستی کیا ہے؟ پیمان وفا باندھنا ہے۔ دوستی وقتی نہیں ہو سکتی۔ دوستی کی شان یہ ہے کہ ایک بار ہو جائے

تو عمر بھر قائم رہے۔ حالات اچھے ہوں یا دن برے، دوست کو دوست رہنا چاہیے۔ میرے ایک دوست اور رفیق مسعود احمد برکاتی ہیں۔ دوستی کو ۳۶ سال تو ہو گئے ہیں۔ بڑی گاڑھی چھنتی ہے، پھر ہم نے بہت سے دوست بنائے اور میں نے ہزاروں نہیں لاکھوں نونہالان پاکستان کو اپنا دوست بنایا۔ ان کے لیے رسالہ ہمدرد نونہال جاری کیا۔ مقصد اس کا علم و حکمت ٹھیرایا۔ جاگو جگاؤ اس کا نقطۂ فکر قرار پایا۔ میرے دوست مسعود احمد برکاتی اس کے ایڈیٹر بنے۔ ہمدرد نے وسائل مہیا کیے۔ ہم دونوں نے مل کر رات دن کام کیا۔ اب سچ یہ ہے کہ ہمدرد نونہال لاکھوں نونہال دوستوں اور میرے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ میں نے نونہالان وطن سے کہا : "جاگو!" وہ جاگ اٹھے۔ میں نے ان سے کہا : "جگاؤ!" انھوں نے علم کی شمع ہاتھ میں لی اور سوئے ہوؤں کو جگانے پر کمر باندھی۔"

اب یہ کتاب "سعید پارے" میں نے حکیم صاحب کی شہادت کے بعد مرتب کی ہے۔ اس میں جنوری ۱۹۸۵ء سے نومبر ۱۹۹۸ء تک کے کالم شامل ہیں۔ نومبر ۹۸ء کا "جاگو جگاؤ" حکیم صاحب نے اپنی شہادت سے چند دن پہلے ہی لکھا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتے تو ہمیں نئی نئی باتیں پڑھنے کو ملتی رہتیں۔ حکیم صاحب کی باتیں موتیوں میں تولنے کے قابل ہوتی ہیں۔ سونے کے حروف سے لکھنے کے لائق۔

حکیم صاحب نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اتنی کتابیں بہت کم مصنفوں نے لکھی ہوں گی، لیکن بچوں کے لیے کتاب لکھ کر وہ بہت مطمئن ہوتے تھے۔ بچوں کے لیے جب کوئی نئ کتاب چھپ کر آتی تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ کوئی دس سال سے تو یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ جب کسی ملک کے سفر پر جاتے تو واپسی پر اس ملک کا سفرنامہ اپنے ساتھ لے کر آتے۔ وہ یہ سفرنامہ سفر کے دوران ہی لکھ لیتے تھے۔ اگر کچھ کمی بیشی رہ جاتی یا نظر ثانی کرنی ہوتی تو وہ کراچی آکر کر لیتے۔ وقت کی قدر اور اس کا صحیح استعمال جیسا حکیم صاحب نے کیا بہت ہی کم لوگوں نے کیا ہو گا۔ اس طرح صرف بچوں کے لیے حکیم صاحب کے سفرناموں کی تعداد چالیس کے قریب ہو گئی۔ کسی اور نے اتنے سفرنامے نہیں لکھے۔ بڑوں کے لیے ان کے سفرناموں کی تعداد دس ہے۔

سفرناموں کے علاوہ بھی نونہالوں کے لیے حکیم صاحب کی بہت سی کتابیں ہیں۔ سب ملا کر گنیں تو سو سے اوپر ہو جاتی ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں حکیم صاحب نے نونہالوں کے لیے اپنی ڈائری لکھنی شروع کی، یعنی روزانہ کی مصروفیتیں۔ صبح سے شام تک کیا کام کیے؟ کس کس سے ملے؟ کہاں کہاں گئے؟ کون کون ملنے آیا؟ کیا کیا پڑھا؟ کن کن میٹنگوں میں شریک ہوئے؟ غرض صبح جاگنے سے لے کر رات کو سونے تک کے واقعات لکھنے شروع کیے۔ واقعات کے علاوہ خیالات، مشورے اور حالات پر اپنے تاثرات بھی لکھ دیتے تھے۔ اس طرح مہینہ بھر میں ایک پوری کتاب ہو گئی۔ اس کا نام میں نے "سچی کہانی" تجویز کیا جو حکیم صاحب کو پسند آیا۔ سچی کہانی کے بارہ حصے ہیں۔ ہر مہینے کی ایک کتاب۔ اس طرح پورے سال کی بارہ کتابیں

ہو گئیں جن کے صفحات ہزار سے اوپر ہوں گے۔ ان سچی کہانیوں میں بچوں ہی کے لیے نہیں، بڑوں کے لیے بھی بڑی مفید باتیں ہیں۔ سبق آموز اور کار آمد باتیں۔ یہ ایک طرح کی تاریخ ہے اور حکیم صاحب کے حالات زندگی کا ایک حصہ بھی۔ ان کتابوں سے حکیم صاحب کی سوانح حیات مرتب کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔

حکیم محمد سعید شہید کو ملک اور قوم کی بڑی فکر تھی۔ وہ موجودہ اخلاقی حالت دیکھ کر بڑے پریشان ہوتے تھے، لیکن وہ نا امید نہیں ہوتے تھے۔ مایوسی ان کی عادت ہی نہیں تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نونہالوں کی اچھی تعلیم و تربیت کریں تو نونہال بہت ترقی کر سکتے ہیں اور ملک کی قسمت پلٹ سکتے ہیں۔ چناں چہ انھوں نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کے لیے پوری توجہ سے کام شروع کیا۔ رسالہ ہمدرد نونہال تو حکیم صاحب ۱۹۵۳ء ہی میں جاری کر چکے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں انھوں نے بچوں کی کتابیں شائع کرنے کے لیے ایک مستقل شعبہ نونہال ادب قائم کر دیا۔ اس شعبے کا کام یہ ہے کہ وہ بچوں کے لیے ہر قسم کی اچھی کتابیں شائع کرے۔ چناں چہ یہ شعبہ ساڑھے چار سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کی تربیت اور ان کی مجلسی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لیے ۱۹۸۵ء میں بزم ہمدرد نونہال قائم کی۔ ۱۹۹۵ء میں اس بزم کو ہمدرد نونہال اسمبلی کی شکل دے دی۔ اس کے اجلاس ہر مہینے ہوتے ہیں۔ ان میں حکیم صاحب خود بھی پابندی سے شریک ہوتے تھے۔ ہونہار نونہالوں کی پرجوش تقریریں بڑی دل چسپی سے سنتے تھے اور خود بھی تقریر کرتے تھے۔

حکیم محمد سعید شہید کی زندگی بڑی سبق آموز ہے۔ انھوں نے زندگی

بھر سخت محنت کی۔ بڑے مشکل حالات میں ہمدرد کو ترقی دی اور اس کے بعد کئی رفاہی اور تعلیمی ادارے قائم کیے اور ان کے ذریعے سے انسانوں کی خدمت کی۔ انسانوں کی بھلائی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک کام کرتے رہے۔ ان کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کوئی اپنے آپ کو بھلا کر دوسروں کی بھلائی اور بہتری کے لیے کام کرے تو وہ لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنے لگتا ہے اور زندہ و جاوید ہو جاتا ہے۔ حکیم محمد سعید شہید زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

اس کتاب کی ترتیب و تصحیح اور تیاری میں رفیق محترم ڈاکٹر سید فرحت حسین صاحب کی دل چسپی اور تعاون میرے لیے تقویت و ہمت کا باعث ہوا۔

۳ جنوری ۱۹۹۹ء

اللہ تعالیٰ کی بادشاہی

اسلام کے معنی ہیں ماننا' اطاعت کرنا' سر جھکا دینا۔ اسلام ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔ دین اسلام کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دینا' اس کے فرمان کو تسلیم کرنا' اس کی اطاعت کرنا' اس کے حکم کو ماننا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیتا ہے یعنی اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے' صرف اللہ اور اس کے پیارے نبیؐ کی ہدایت پر چلتا ہے' اس کے حکم کے خلاف کسی کا حکم نہیں مانتا' جو کام بھی کرتا ہے' اللہ کی رضا اور خوشی کے لیے کرتا ہے' وہ اسلام میں شامل ہے یعنی مسلمان ہے۔

قرآن حکیم میں لکھا ہے کہ : "اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔" اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال لو۔ ہر کام اسلام کے مطابق کرو۔ یہ نہ ہو کہ ایک کام تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کرو' دوسرا اپنی مرضی سے۔ ہاں اگر تمھاری مرضی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے خلاف نہیں ہے تو بے شک تم اپنی مرضی پر یا کسی کی مرضی پر چل سکتے ہو' لیکن اگر تمھاری یا کسی کی مرضی اللہ کی رضا سے ٹکراتی ہے تو پھر مسلمان کی حیثیت سے تمھارے سامنے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ کی مرضی اور اس کے حکم پر چلنا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی سے تمھارے ماں باپ' تمھارے استاد' تمھارے صدر یا بادشاہ کی مرضی بھی ٹکراتی ہے تو تم بلا خوف اور بلا جھجک ان کے حکم کو ٹھکرا کر صرف اللہ کے حکم پر چلو۔ حقیقی بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ باقی سب اس کے بندے ہیں' چاہے وہ کتنے ہی بڑے ہوں' کتنے ہی قابل' کتنے ہی مال دار' کتنے ہی مشہور ہوں۔ مسلمان صرف اللہ تعالیٰ کی بادشاہی کو مانتا ہے۔

(فروری ۱۹۸۶ء)

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو

اپنے محسن سے محبت، لگاؤ اور اس کی چاہت انسان کی گُھٹّی میں ہے۔ احسان کرنے والے کا احسان ماننا انسان کی شرافت اور اچھائی کی علامت ہے، اسی لیے مومن احسان ماننے میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا سب سے بڑا محسن ہے اور مومن سب سے بڑا محسن پرست ہوتا ہے۔ گویا احسان ماننے کا جذبہ مسلمان سے زیادہ کسی میں نہیں ہوتا اور مسلمان اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے :

"ایمان والے اللہ کی محبت میں بڑے ہی پکے ہوتے ہیں۔"

(ترجمہ آیت ۱۶۵۔ سورۃ البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ بھی کہلوایا ہے کہ :

"اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔" (ترجمہ آیت ۳۱۔ سورۃ آل عمران)

اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ اللہ ان کو عزیز نہیں رکھتا جو دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو بھی محبوب رکھتا ہے اور جو انصاف نہیں کرتے ان کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات کی روشنی میں ہمیں

اپنا جائزہ لینا چاہیے اور اللہ اور اس کے بندوں کی محبت کو بڑھانا چاہیے۔
(جنوری ۱۹۸۸ء)

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو

ہماری یہ عادت بن گئی ہے کہ جو نعمتیں اور آسانیاں ہمیں میسر ہیں، ہم ان سے خوش نہیں ہوتے اور ان کا شکر ادا نہیں کرتے۔ جو کچھ ہمیں حاصل نہیں اس کی شکایت کرتے ہیں۔ اس عادت میں دو خرابیاں ہیں : ایک تو یہ کہ ہمیں جو خوشی میسر آنی چاہیے اس سے ہم محروم رہتے ہیں۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لیتے ہیں۔ سورۂ ابراہیمؑ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

"اگر تم شکر گزار بنو گے تو تمھیں اور زیادہ نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔" (آیت : ۷)

اگر ہم غور کریں اور جو کچھ بھی ہمیں حاصل ہے اس پر مطمئن اور خوش ہوں اور اس پر دینے والے کا شکر ادا کریں تو اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ہمیں اور زیادہ نعمتیں حاصل ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو صحت عطا کی ہے، جن کو دولت بخشی ہے، جن کو بیوی بچے، گھر بار دیا ہے، جن کو دوست اور محبت کرنے والے ساتھی اور بھائی دیے ہیں، جن کو عزت دی ہے ان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہیے جن کے واسطے سے یہ نعمتیں ملیں یا جنھوں نے کسی طرح بھی مدد کی۔

آج ہماری پریشانی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے شکر کے بجائے شکایت کو اپنا لیا ہے، ہمیں اور ہمارے پیارے پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی نعمتوں سے

نوازا ہے۔ ہمیں اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کا شکر گزار ہونا چاہیے' البتہ ان نعمتوں کو بڑھانے کے لیے کوشش اور دعا ضرور کرتے رہنا چاہیے' لیکن ناشکری سے پرہیز ضروری ہے' کیوں کہ ناشکری سے ہمارا سکون غارت ہو رہا ہے اور اللہ کو ناخوش بھی کر رہے ہیں۔ (جون ۱۹۸۹ء)

قرآن سے دل روشن ہوتا ہے

قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے' مسلمانوں کا رہ نما اور ان کی زندگی کا قانون ہے۔ روشنی ہے۔ قرآن پڑھنا ثواب ہے۔ اچھے مسلمان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ خوب قرآن پڑھتا ہے' اسے یاد کرتا ہے اور دوسروں کو پڑھاتا ہے۔ اللہ کے رسول اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ : "تم میں بہترین وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔" رسول اللہؐ پر پہلی وحی جو نازل ہوئی اس کا بھی پہلا لفظ ہے "اقرا" (پڑھو)۔

قرآن کی تلاوت کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے کہ : "جس شخص نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا تو اسے ایک نیکی ملے گی اور وہ نیکی دس گنی ہوتی ہے۔" اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص قرآن کا ایک حرف بھی پڑھتا ہے اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ ثواب کمانے کی اس سے آسان ترکیب کیا ہوگی! اس لیے جس نونہال نے (یا بدقسمتی سے جس بزرگ نے بھی) قرآن پڑھنا نہیں سیکھا ہے اسے اس طرف بہت جلد توجہ کرنی چاہیے۔ وقت تو گزر ہی جاتا ہے' کسی کام میں گزرے' کسی کھیل میں گزرے' بے کاری میں گزرے یا خراب کاموں میں گزرے۔ اس لیے ہم اپنے وقت کو اچھے کاموں اور نیکیوں میں کیوں نہ صرف کریں اور فائدہ اٹھائیں۔ قرآن پڑھنا وقت کا بہترین استعمال ہے۔ سرکار

دو عالمؐ نے فرمایا ہے کہ : ''جس شخص کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں وہ اجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔''

کیا تم اپنے دل کو اجاڑنا چاہتے ہو؟ قرآن پڑھو اور اپنے دل کو زندہ اور اپنے دماغ کو روشن کرو۔ (جون ۱۹۸۸ء)

اللہ کی سب سے بڑی نعمت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم نازل فرما کر انسان پر بہت بڑا احسان بلکہ سب سے بڑا احسان کیا ہے۔ اس پاک کتاب کو سرکار دو عالم نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے ہوئے چودہ سو سال ہو گئے۔ اس لمبے عرصے میں اس کا ایک حرف بھی نہیں بدلا بلکہ اس کے ایک نقطے اور شوشے میں بھی فرق نہیں آیا۔ اسی طرح قرآن میں جو ہدایات ملتی ہیں اور جو تعلیم ہمیں دی گئی ہے وہ بھی اتنی صدیاں بیت جانے کے باوجود آج تک اتنی ہی مفید' اتنی ہی کار آمد اور قابل عمل ہے جتنی اس وقت تھی جب قرآن نازل ہوا تھا۔ اسی لیے اس کا پڑھنا آج بھی اتنا ہی مفید اور ضروری ہے جتنا اس وقت تھا۔

قرآن کا پڑھنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اس میں وہ راہ نمائی ملتی ہے جس کو سمجھنے اور جس پر عمل کرنے سے ہماری زندگی سدھرتی ہے۔ قرآن حکیم ایسا راہ نما ہے جس کی موجودگی میں ہمیں راہ نمائی اور ہدایات کے لیے کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

قرآن کا پہلا لفظ جو ہمارے پیارے نبیؐ پر اترا وہ ہے ''اقرا'' جس کے معنی ہیں ''پڑھو''۔

اس لفظ سے ایک تو خود قرآن کا پڑھنا ہم پر فرض ہو جاتا ہے' دوسرے علم

حاصل کرنا بھی ہمارے فرائض میں شامل ہو جاتا ہے۔

نونہالو! دل لگا کر قرآن پڑھو اور تعلیم بھی دل لگا کر حاصل کرو، کیوں کہ مسلمانوں کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے اور علم ہی دین اور دنیا والوں کی بھلائی اور فائدے کا ذریعہ ہے۔ (ستمبر ۱۹۹۷ء)

حضور اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ ہمارے لیے ہدایت کا سرچشمہ اور زندگی کا قانون ہے۔ یہ ہمیں زندگی کو صحیح طریقے سے گزارنے کے ڈھنگ بتاتا ہے۔ قرآن حکیم ہمارے پیارے نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اتارا تھا۔ آپؐ نے ہمیں بتایا کہ یہ اللہ کا کلام اور آخری پیغام ہے۔ اس کو صحیح ماننا یعنی اس پر ایمان لانا انسان کے لیے نجات کا باعث ہے۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکام ہی ہمیں نہیں بتائے بلکہ ان پر خود عمل کر کے بھی بتایا اور مکمل طریقے سے عمل کیا۔ آپؐ نے اپنی پاک زندگی اور پاکیزہ سیرت کا بہترین نمونہ ہمیں دکھایا جس سے ہمیں صحیح طرح اور پوری طرح معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق کس طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ حضورؐ کی زندگی اور اعمال کو ہم اسوۂ حسنہ کہتے ہیں۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جو شخص حضورؐ کے نمونے کو جتنا زیادہ اپنے سامنے رکھتا ہے اور جس قدر زیادہ اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اتنا ہی اچھا مسلمان ہے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو اچھی طرح سمجھیں۔ اس کے لیے آپؐ کی پاک زندگی کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپؐ کی سیرت پر ہزاروں چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ نونہالوں کے لیے بھی سیرت پر اچھی

اچھی کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھو اور خوب غور سے پڑھو۔ ان کے پڑھنے سے تمھیں دین کے معنی معلوم ہوں گے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اچھی زندگی کس طرح گزارنی چاہیے۔ (دسمبر ۱۹۸۵ء)

حضور اکرمؐ ۔۔ نمونہ زندگی

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اپنا بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) نہ چھوڑ گئے ہوتے تو ہمیں اسلام کے اعلا اصولوں کو سمجھنے میں دقت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے اپنا کلام قرآن پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا کہ آپؐ لوگوں کو اس پر عمل کر کے بھی بتائیں اور اپنا نمونہ لوگوں کے لیے چھوڑ جائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی :

"کہہ دو کہ میں بھی تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں۔"

مطلب یہ تھا کہ اللہ کے حکموں پر عمل کرنا مشکل نہیں ہے اور رسول اللہؐ بھی ایک انسان ہیں۔ وہ عمل کرتے ہیں تو تم بھی عمل کر سکتے ہو۔

رسول اللہؐ کی زندگی پاک صاف، سیدھی سادی اور عام آدمی کی سی زندگی تھی۔ آپؐ اپنا کام خود کرتے تھے۔ کسی کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ بازار سے سودا سلف خود لاتے۔ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگا لیتے۔ دودھ خود دوہ لیتے۔ یہاں تک کہ گھر میں جھاڑو بھی خود دے لیتے۔ اپنا کام خود کرنے کے علاوہ دوسروں کی مدد بھی کرتے۔ ان کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے۔ سفر وغیرہ میں سب کے ساتھ کاموں میں حصہ لیتے۔ ایک سفر میں آپؐ کے سب ساتھیوں نے ایک ایک کام آپس میں بانٹ لیا۔ آپؐ نے جنگل سے ایندھن لانے کا کام اپنے ذمے لیا۔ صحابہؓ نے عرض

"اے اللہ کے رسولؐ! یہ کام بھی ہم آپؐ کے غلام کرلیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا :

"مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ خود کو تم سے الگ رکھوں یا بڑا سمجھوں۔ اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ساتھیوں میں اپنے کو بڑا گنتا ہو۔"

(نومبر ۱۹۸۷ء)

رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لیے سب سے اچھا نمونہ ہے۔ حدیث اور سیرت و تاریخ کی کتابوں کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس اسوۂ حسنہ کی زیادہ سے زیادہ پیروی ہی اطاعت رسولؐ ہے۔ آپؐ کو جو باتیں پسند تھیں وہ ہمیں بھی پسند ہونی چاہییں۔ جو چیزیں آپؐ کو ناپسند تھیں وہ ہمیں بھی ناپسند ہونی چاہییں۔ آپؐ مسلمانوں کو اخوت اور بھائی چارے کی سختی کے ساتھ تاکید کرتے تھے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھیں۔ آپؐ یتیموں کے والی، محتاجوں کے داتا، بیواؤں کے سرپرست، مسلمانوں کے رہبر، حتیٰ کہ کافروں اور مشرکوں کے لیے بھی رحمت تھے۔ اس لیے رسول اللہؐ کی اطاعت کا معیار ہماری نگاہ میں ان اوصاف کو اپنانا ہے۔ مسلمانوں کے ہادی برحق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو سکتے ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

پاکستان اسلام کا قلعہ ہے، مسلمانوں کا گہوارہ ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پاکستان کی حفاظت اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے انتھک کوشش کرے تاکہ مسلمانوں کا یہ محبوب وطن جو اسلام ہی کے نام پر حاصل ہوا ہے، غیروں کی شرارتوں کا شکار نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور ہم مسلمانوں کو سیسہ پلائی دیوار کی طرح متحد اور ناقابل تسخیر بنائے۔ (اکتوبر ۱۹۸۹ء)

اخلاق --- اطاعت رسولؐ

ہم جس رسولؐ کے امتی ہیں وہ اخلاق کے سب سے اعلا مرتبے اور بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔ یہ بات میں نہیں لکھ رہا' کسی انسان کی بات نقل نہیں کر رہا' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ القلم کی چوتھی آیت کا ترجمہ یہ ہے :

"اے نبیؐ ' بے شک آپؐ اخلاق کے بلند مرتبے پر فائز ہیں۔"

خود ہمارے حضورؐ کا ارشاد ہے :

"میں تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہوں کہ اخلاق کی فضیلتوں کو کمال کے درجے تک پہنچا دوں۔"

اور واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی بڑائیوں سے انسانی تاریخ روشن ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی اخلاق کا اعلا ترین نمونہ ہے۔ ایسا نمونہ نہ پہلے دنیا نے دیکھا نہ آئندہ دیکھے گی اور مسلمان ہی نہیں' غیر مسلم بھی یعنی وہ لوگ بھی جو آپؐ کو نبی نہیں مانتے' آپؐ کے اخلاق کی بلندیوں کو ماننے پر مجبور ہیں۔ جارج برنارڈ شا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اگر محمدؐ اس وقت موجود ہوتے تو دنیا میں امن ہوتا۔

حضور اکرمؐ نے صرف اپنوں کے ساتھ ہی نہیں' رشتے داروں کے ساتھ ہی نہیں' دوستوں کے ساتھ ہی نہیں' دشمنوں کے ساتھ بھی اخلاق برتے اور وہ عمدہ سلوک کیا جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

اور ہم آپؐ کے امتی ہیں، آپؐ کے نام لیوا ہیں، مگر ہمارے اخلاق؟ لکھنے کی ضرورت نہیں، ہم میں سے ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے، اس کو صحیح جواب مل جائے گا۔

تو پھر نونہالو، تم یہ سمجھ لو کہ اخلاق ہی ایک مسلمان کی پہچان ہے اور حضورؐ کا غلام ہونے کی علامت ہے۔ (اکتوبر ۱۹۹۱ء)

رسولؐ کی شفقت

"تمھارے پاس ایک ایسا رسولؐ آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، تم پر جو تکلیف گزرتی ہے وہ اس پر بھاری ہوتی ہے۔ اس کو تمھاری بھلائی کی حرص ہے، وہ مومنوں پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔"

یہ ترجمہ ہے سورۂ توبہ کی ۱۲۸ ویں آیت کا۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم ان پر مسلسل غور کرتے رہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضورؐ کے متعلق یہ بات بتائی گئی ہے کہ وہ ہم ہی میں سے ہیں یعنی ہماری طرح ایک انسان، ایک بشر ہیں۔ نہ وہ جن ہیں نہ فرشتہ ہیں نہ کوئی اور مخلوق۔ یہ بات اس لیے بہت اہم ہے کہ بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ حضورؐ کی تعلیم پر عمل کرنا ہم جیسے کمزور لوگوں کے بس میں نہیں ہے۔ ہم تو معمولی انسان ہیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ رسول اللہؐ بھی انسان ہیں اور وہ تمام انسانی صفات، جذبات اور احساسات رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔

دوسری بات اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ سرکار دو عالم، سرور کائنات، فخر

موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے اس قدر پیار اور اس قدر لگاؤ ہے کہ جو تکلیف مسلمانوں پر گزرتی ہے وہ آپؐ کو اپنی تکلیف معلوم ہوتی ہے اور ہمارے سرکارؐ ہماری بھلائی کے لیے بے چین رہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لمحہ اپنی امت کی صلاح و فلاح کی فکر میں گزرتا تھا۔ کسی کے ساتھ سب سے بڑی بھلائی یہ ہے کہ اس کو سیدھا راستہ بتا دیا جائے' سچا مشورہ دیا جائے اور اس کو نجات کی راہ دکھائی جائے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بہترین راستہ بتایا اور اپنی زندگی سے بہترین نمونہ پیش کیا۔ اس نمونے پر ہم عمل کریں تو ہماری زندگی سدھر سکتی ہے۔ (ستمبر ۱۹۹۳ء)

رسولؐ بحیثیت انسان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ہمارے لیے ہر لحاظ سے نمونہ ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں تو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کے دروازے ہمارے لیے کھل جائیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ تھے' اس کے محبوب تھے' لیکن آپؐ ایک انسان بھی تھے۔ خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے کہلوایا ہے کہ :

"میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔"

(سورۂ کہف' آیت ۱۱۰)

اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ حضورؐ کے سے اعمال ہر انسان کے لیے قابل عمل ہیں اور ہر انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ آپؐ کی پیروی کی کوشش کرے' آپؐ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ یہ نہ سمجھے کہ حضورؐ تو رسول تھے۔ آپؐ کی سی بات مجھ میں کہاں! حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے انسانوں کو زندگی کا آسان اور

سچا طریقہ سکھایا اور جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے بھی بتایا' اس لیے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس طریقے کو اپنائیں۔ اسلام آسان دین ہے۔ اسلام ایسا طریقہ زندگی ہے جس پر عمل کرنے سے انسان کو تکلیف نہیں ہو سکتی' جس پر عمل کرنے سے انسان کو سکون اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ہر مسلمان کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ سب سے بڑی دولت علم ہے۔ روپیہ پیسہ آنی جانی چیز ہے' لیکن علم ہمیشہ رہنے والی' ہمیشہ طاقت دینے والی' ہمیشہ مدد کرنے والی چیز ہے۔ ہم جتنا علم حاصل کریں گے اتنے ہی خوش رہیں گے' لہٰذا ہمیں دولت حاصل کرنے یا بڑھانے کے بارے میں نہیں' اپنا علم بڑھانے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔

(نومبر ۱۹۹۶ء)

حق و صداقت کے لیے قربانی

سچا آدمی سچی بات ہی کرتا ہے۔ سچ بولنے میں بعض وقت بڑی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' یہاں تک کہ بہت سے فائدوں سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ بہت سے مالی نقصان بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ بعض وقت خود زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے' لیکن سچ بولنے والا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بلکہ قربان کر کے بھی سچ بات کہتا ہے۔ ایسے لوگ بہت عظیم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں کی وجہ سے دنیا میں حق و صداقت باقی ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق کی خاطر اتنی بڑی قربانی دی کہ تاریخ میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ آپؓ نے غلط اور بے اصولی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ چاہتے تو آسان راستہ اختیار کر سکتے تھے۔ جو لوگ غلط راستے پر جا رہے تھے' ان سے صلح

کر لیتے، ان کو اپنی سی کرنے دیتے اور خود عیش و آرام سے رہتے، لیکن آپ نواسۂ رسولؐ تھے۔ آپ اسلام کے سچے اصولوں کے خلاف کوئی بات برداشت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آپ حکومت کا صحیح اسلامی معیار دنیا کو بتانا چاہتے تھے۔ اسلام میں لوگوں کا حاکم وہی شخص بن سکتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اہل، قابل اور نیک ہو۔ حاکم یا خلیفہ کا بیٹا اگر اہل نہ ہو تو وہ صرف اس وجہ سے کہ خلیفہ کا بیٹا ہے، خلیفہ یا حاکم بننے کا اہل نہیں ہے۔ اسی نکتے کو حضرت حسینؓ نے اپنے عمل سے، اپنی جدوجہد سے، اپنے جہاد سے اور اپنی زندگی کو قربان کر کے ثابت کیا اور جب تک دنیا ہے، یہ اصول قائم رہے گا کہ اسلام صرف اہل اور نیک لوگوں کو عزت اور حکومت دینا چاہتا ہے۔ (جولائی ۱۹۹۲ء)

حق کی گواہی

انسان جو بات صحیح سمجھتا ہو اس کو ظاہر نہ کرے تو سمجھیے کہ اس کے صحیح سمجھنے میں کوئی کسر ہے، کیوں کہ سچائی خود منہ سے بول اٹھتی ہے اور چھپائی نہیں جاتی۔ سچ بولنا انسان کی بہت بڑی خوبی ہے، اتنی بڑی خوبی کہ اس خوبی سے باقی سب خوبیاں چھوٹی ہیں۔ جو آدمی سچ بولتا ہے، وہ عظیم آدمی ہے۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے اور اگر سچ بولنے میں نقصان کا ڈر ہو، جان کا خطرہ ہو تو پھر سچ بولنا بہت ہی عظیم بات ہے اور ایسے موقعے پر سچ بولنے والا بہت، بہت، بہت بڑا آدمی ہوتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کسی خطرے کی پروا کیے بغیر سچائی کا علم بلند کیا اور حق کی گواہی دی۔ آپ نے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا۔ اس کی حکومت نہیں مانی، مگر اپنا سر پیش کر دیا۔ اس کی اطاعت نہیں کی، کیوں کہ آپ سمجھتے تھے کہ یزید خلافت کا مستحق اور اہل نہیں ہے اور اصول کی خاطر آپ نے

اپنی جان بھی اللہ کی راہ میں نذر کر دی۔ یہ سچائی اور حق کی گواہی ہوئی۔ اسی کو شہادت حق کہتے ہیں۔ شہید کا بہت بڑا رتبہ ہوتا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن (اقبال)

حضرت امام حسین علیہ السلام کو یاد کرنے' یاد رکھنے اور آپ کی یاد منانے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کے نمونے پر عمل کریں' ان کے بتائے ہوئے طریقے کو اپنائیں اور سچائی اور حق گوئی کو اختیار کریں۔ سچ کو سچ کہیں۔ جھوٹ اور باطل کے آگے کبھی سر نہ جھکائیں اور دین اور ملک و ملت کے مفاد کے مقابلے میں اپنے مفاد کو کچھ نہ سمجھیں۔ اسی طرح ہم حضرت حسین علیہ السلام کے سچے ماننے والے کہلا سکتے ہیں۔ (جولائی ۱۹۹۳ء)

سچّائی کے رہنما

قرآن حکیم کی سورۂ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (آیت ۱۱۹)

اس فرمان میں صدق یعنی سچائی کی تعلیم بڑی خوب صورتی سے دی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ گویا سچے لوگ ایک جماعت ہوتے ہیں۔ اصل میں اسلام لانے کا سب سے بڑا تقاضا سچائی اختیار کرنا ہے اور مسلمان صرف سچوں کی جماعت میں ہی شامل ہو سکتا ہے۔

سچ بولنے میں بعض وقت بڑی مشکلات بھی پیش آتی ہیں' لیکن سچے لوگ کسی مشکل' کسی خطرے کی پروا نہیں کرتے' بلکہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے' مگر ایسے لوگ معمولی لوگ نہیں ہوتے۔ بہت بڑے' بہت عظمت والے لوگ ہوتے ہیں۔ صحیح معنی میں روشنی کا مینار یہی لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سچائی اور حق کا اجالا پھیلانے کے لیے جان قربان کرنے والی اعلا مثال ہیں۔ آپؓ نے اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ مسلمان کبھی غلط بات قبول نہیں کرتا، کبھی بے جا دباؤ میں نہیں آتا، کبھی سچائی کے اظہار سے نہیں چوکتا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمل سے گواہی دی کہ اسلامی حکومت کا سربراہ صرف سچا، پاک باز، ایمان دار اور اہل انسان ہی ہو سکتا ہے۔ اسی گواہی کو شہادت کہتے ہیں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت نے اسلامی تاریخ کا رخ موڑ دیا اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو صحیح طریقۂ حکومت بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ (جولائی ۱۹۹۴ء)

شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں

جب ہم حضرت امام حسینؓ کو یاد کرتے ہیں اور ان کی عظمت اور بڑائی کو بیان کرتے ہیں تو ہم اصل میں اس عظیم اور اعلا مقصد کو یاد کرتے ہیں جس کے لیے انھوں نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جانیں تک قربان کر دیں اور شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوئے۔

وہ عظیم مقصد کیا ہے؟ وہ ہے اسلام۔ اسلام کے اصولوں کو زندہ رکھنے کے لیے حضرت امام حسینؓ نے یہ قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی کے لیے جو نظام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے بتایا تھا، اس کی خلاف ورزی ہوتے دیکھ کر حضرت امام حسینؓ نے سوچا کہ اگر میں اس وقت خاموش رہوں تو گویا میں نے اس غلط طریقے کو قبول کرلیا جو قائم کیا جارہا ہے۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ قیادت اور حکومت کے منصب پر صرف وہی شخص

یا اشخاص فائز ہو سکتے ہیں جو نیک ہوں، متقی ہوں، اہل ہوں اور جن کے اخلاق اور کردار پر لوگ بھروسا کرتے ہوں۔ باپ کے بعد بیٹا اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کو خلافت کے عہدے پر ہرگز فائز نہیں کیا جانا چاہیے۔

حضرت امام حسینؓ نے اپنی جان قربان کر کے اس اصول کی گواہی دی اور اس اصول کی سچائی ثابت کی۔ شہادت کے معنی ہیں گواہی۔ گواہی دینے والے کو شہید کہتے ہیں۔ شہید مرتے نہیں، ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ اگر حضرت امام حسینؓ اپنی شہادت سے اسلام کا اصول خلافت واضح نہ فرماتے تو لوگ ہمیشہ کے لیے یہی سمجھنے لگتے کہ باپ کے بعد بیٹے ہی کو خلافت ملنی چاہیے، چاہے وہ اہل اور نیک ہو یا نہ ہو۔ (جون ۱۹۹۵ء)

عبادت کا مقصد

عبادت کتنی اچھی چیز ہے۔ عبادت گزار یا عبادت کرنے والا کتنی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ عبادت کا مطلب کیا ہے، مقصد کیا ہے اور فائدہ کیا ہے؟

عبادت دراصل اس بات کا اقرار اور اظہار ہے کہ جس کی عبادت کی جارہی ہے وہ معبود ہے اور جو عبادت کر رہا ہے وہ عبد ہے۔ عبد کے معنی بندے کے ہیں۔ جو انسان عبادت کرتا ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں بندہ ہوں اور جس کی عبادت کر رہا ہوں وہ میرا مالک ہے، خالق ہے، آقا ہے، اس کا حکم ماننا میرا فرض ہے۔ اس کی اطاعت میں ہی میری بھلائی ہے۔ معبود نے جو ہدایات دی ہیں ان پر عمل کر کے ہی میں نجات پا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے۔ عبادت کرنے والے ہی اچھے

بندے ہوتے ہیں۔ وہ اچھے انسان بھی ہوتے ہیں۔ عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ خود عبادت کرنے والے کو ہی فائدہ ہوتا ہے۔ عبادت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اور اللہ کا تعلق باقی اور مضبوط رہے، بندے اور آقا کا رشتہ پائیدار رہے۔ جب انسان کو یہ بات یاد رہے گی کہ وہ خود آقا نہیں ہے بلکہ آقا کا بندہ ہے تو وہ آقا کے حکموں کی پابندی کرے گا اور اس پابندی کی وجہ سے ہر کام صحیح ہوگا۔ جھوٹ، دھوکا، ظلم، ناانصافی اور بے ایمانی نہیں ہوگی، بلکہ سچائی، سکون، ہمدردی، انصاف اور دیانت کا دور دورہ ہوگا۔ یہی عبادت کا مقصد ہے۔

(مئی ۱۹۸۷ء)

عبادت گاہوں کا احترام

اسلام فطری دین ہے۔ اسلام کے ہر حکم اور ہر ہدایت میں یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس پر عمل کیا جاسکے۔ اسلام میں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی مقرر کی ہوئی حد کے اندر ہو وہ بھی عبادت میں شامل ہے۔

علم حاصل کرنا، تجارت کرنا، سیاست میں حصہ لینا، بیوی بچوں کی پرورش کرنا یا ماں باپ کی خدمت کرنا، یہ سب کام اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کیے جائیں تو وہ بھی عبادت ہیں۔

لیکن عبادت کی بعض صورتیں فرض ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ عبادت یوں تو ہر وقت، ہر جگہ ہو سکتی ہے، لیکن نماز کے لیے مسجدیں بنائی جاتی ہیں۔ مسجد میں بہت سے مسلمان مل کر نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد کو اللہ کا گھر بھی

کہتے ہیں، اس لیے مسجد نہایت مقدس اور متبرک جگہ ہوتی ہے۔ اس کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کوئی مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ مسجد کا احترام نہ کرے اور مسلمان تو مسجد ہی کیا ہر عبادت گاہ کا احترام کرتا ہے، چاہے وہ کسی مذہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہ ہو۔ مسلمان کسی قوم کی عبادت گاہ کو بھی نقصان نہیں پہنچاتے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتوں کو برا بھلا کہنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ مسلمان کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے، اسی لیے مسلمان چاہتے ہیں کہ دوسری قوموں کے لوگ بھی ان کو تکلیف نہ پہنچائیں اور ان کی مسجدوں کا احترام کریں۔ جب کوئی شخص یا قوم ان کی مسجد کی بے حرمتی کرتی ہے تو ان کا دل دکھتا ہے۔ (جنوری ۱۹۹۳ء)

ہر اچھا کام عبادت ہے

عبادت کیا ہے؟

اسلام میں عبادت کا مفہوم پوجا پاٹ یا چند رسمیں ادا کر لینا نہیں ہے۔ اسلام میں عبادت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ اسلام انسان کے ہر اچھے کام کو عبادت میں شامل کرتا ہے۔

اسلام میں نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ ہر وہ کام بھی عبادت میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہو۔

اگر آپ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اس کا مقصد نیکی پھیلانا، بھلائی کرنا، اللہ کے بندوں کی خدمت کرنا ہے تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ تجارت کرتے ہیں اور اس میں بے ایمانی اور دھوکے سے کام نہیں

لیتے، مناسب نفع لیتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ ملازم ہیں اور اپنا کام دیانت اور محنت سے انجام دیتے ہیں، چوری اور کام چوری نہیں کرتے تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ اپنے کسی بھائی، کسی ساتھی، کسی دوست سے ہنس کر ملتے ہیں اور اس سے ہمدردی سے پیش آتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ کسی انسان یا کسی جانور پر رحم کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ کسی بھولے بھٹکے کو راستہ بتاتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ سچے دل کے ساتھ سیاست میں حصہ لیتے ہیں اور لوگوں کی بھلائی اور آسانی کی کوشش کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

اگر آپ اپنے ماں باپ کی خدمت اور اپنے استاد کی عزت کرتے ہیں تو یہ بھی عبادت ہے۔

غرض ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کے اندر ہو عبادت ہے۔

(مئی ۱۹۹۳ء)

جہاد کا مطلب

آج کل ہم جہاد کا لفظ سنتے ہیں، لیکن جہاد کے صحیح معنی کم لوگ سمجھتے ہیں۔

لفظ جہاد کے معنی کوشش، سعی اور جدوجہد کے ہیں، ایسی کوشش جو کسی مقصد کے لیے کی جائے اور پوری صلاحیت سے کی جائے۔

مذہبی لحاظ سے جہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو اللہ کے لیے ہو، اسلام کے لیے ہو اور مسلمانوں کو تکلیف سے بچانے کے لیے ہو۔

جہاد کے لیے کوشش کرنے والوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ

تعالیٰ کے حکم کے مطابق ڈھالیں اور کوشش کریں کہ ان کی زندگی کے سارے کام احکام الٰہی کے مطابق ہوں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہوں۔ جہاد کا سب سے پہلا مرحلہ یہی ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ انسان اپنے آس پاس اپنے عزیزوں' دوستوں کو اسلام پر چلنے کی ترغیب دے اور اپنے چاروں طرف جو برائی اور خرابی دیکھ رہا ہے اس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ زبان سے' قلم سے' عمل سے ہر طرح برائیوں کو مٹانے اور اچھائیوں کو پھیلانے کی کوشش کرے۔ جب اچھائیاں عام ہو جاتی ہیں تو ہر انسان اطمینان اور سکون کا سانس لیتا ہے اور اس کی زندگی آرام سے گزرتی ہے۔ سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ انسان اللہ کا اچھا بندہ بن کر رہے۔

جہاد صرف میدان میں دشمنوں سے لڑنے کا نام نہیں ہے۔ جہاد ایسی جنگ کو نہیں کہتے جو کسی ذاتی مقصد یا فائدے کے لیے ہو اور جس کا مقصد کسی کو بلا وجہ تکلیف پہنچانا ہو۔ جہاد کا مقصد دنیا میں امن' راحت اور سکون قائم کرنا ہے۔ جہاد صرف حق اور سچائی کے لیے جنگ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ جنگ سب سے پہلے اپنے آپ سے لڑنی چاہیے۔ (ستمبر ۱۹۹۶ء)

مبارک اور مقدس مہینہ

رمضان کا مہینہ مبارک اور مقدس مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ہر مسلمان کے لیے خوشی کا سبب ہے' اطمینان کا باعث ہے اور خیر و برکت حاصل کرنے کا موقع ہے۔ دنیا کے ہر حصے اور ہر ملک کے مسلمان اس مہینے کو بابرکت سمجھتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ ہمارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد یہ بھی ہے کہ اس مہینے کے

پہلے دس دن رحمت کے ہیں، دوسرے دس دن گناہوں سے توبہ کے اور آخری دس دن جہنم کی آگ سے نجات کے ہیں۔ آخری دس دن میں کچھ راتیں ایسی ہیں جن میں سے ایک رات لیلت القدر یا شب قدر ہے۔ اس رات کی عبادت ہزاروں مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔ شب قدر ہی میں ہمارے لیے ہدایت کی کتاب، اللہ کا کلام قرآن شریف نازل ہوا اور ہم پاکستانیوں کے لیے تو اللہ کا ایک خصوصی کرم یہ بھی ہے کہ اس نے رمضان ہی میں ہمیں پاکستان عطا فرمایا۔ ۲۷ رمضان المبارک کو پاکستان قائم ہوا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایسے مقدس مہینے، ایسے مقدس عشرے اور ایسی مقدس تاریخ کو ایک وطن عطا فرمایا۔ اب سوچو کہ کتنا مقدس ہے ہمارا وطن، ہمارا پاکستان۔

ہم اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم پاکستان سے محبت کریں، اس کی قدر کریں، ہر پاکستانی سے محبت کریں، ہر پاکستانی کی عزت کریں، اس کو اپنا بھائی سمجھیں۔ اگر کوئی پاکستانی بھائی راستہ بھٹک بھی جائے، تھوڑی دیر کے لیے غلط راہ پر بھی چلنے لگے تو ہم اس سے ناراض نہ ہوں بلکہ محبت سے اس کو سمجھانے، اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں۔ آؤ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطائیں معاف کرے اور نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (جون ۱۹۸۵ء)

روزہ عبادت بھی، فائدہ بھی

رمضان کا مہینہ بڑی برکتوں کا مہینہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خاص طور پر مہربان ہوتا ہے اور رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اسی مہینے میں قرآن حکیم

نازل ہونے کی ابتدا ہوئی۔ قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ زندگی گزارنے کا ضابطہ ہے۔ فلاح اور سعادت کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر انسان دین اور دنیا میں بھلائی حاصل کر سکتا ہے۔ چناں چہ رمضان میں اللہ کے نیک بندے خوب عبادت کرتے ہیں اور احکام الٰہی کی پابندی کر کے سعادت حاصل کرتے ہیں۔

رمضان کے مہینے میں ہر مسلمان پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ روزہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور بہترین عبادت ہے۔ روزے کے بہت سے فائدے ہیں۔ روزہ انسان کو برائیوں سے بچاتا اور نیکی سکھاتا ہے۔ روزے سے ضبط نفس کی عادت پڑتی ہے۔ عام دنوں میں جو کام جائز ہیں مثلاً کھانا پینا' ان سے بھی روزے میں پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ایک طرف تو ان چیزوں کی قدر آجاتی ہے اور دوسرے صبر و ضبط کی مشق بھی ہو جاتی ہے۔

رمضان ہی کے مہینے میں ہمارا پاکستان وجود میں آیا تھا۔ رمضان کی ۲۷ ویں شب' شب قدر اور بڑی مقدس رات ہے۔ اسی شب اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی کی نعمت سے سرفراز کیا اور ہمارے وطن کو غلامی سے نجات دلائی۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ایسے مقدس دن ہمیں پاکستان عطا کیا۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور ۲۷ رمضان ہی کو یوم پاکستان سمجھنا اور منانا چاہیے۔

(مئی ۱۹۸۶ء)

رمضان' قرآن اور پاکستان

رمضان کا مہینہ رحمتوں' برکتوں' سعادتوں اور نعمتوں کا مہینہ ہے۔ ہر صاحب ایمان اس مہینے کا انتظار کرتا ہے اور اپنے آپ کو اس کے استقبال کے لیے تیار

کرتا ہے۔ پورا سال غفلت میں گزارنے والے لوگ بھی اس مہینے میں جاگ جاتے ہیں اور اپنے اعمال کا جائزہ لینے اور اللہ کی عبادت اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کر کے اپنے ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔

رمضان میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا :

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (البقرہ : ۱۸۵)

قرآن اللہ تعالیٰ کی ہدایات کا سرچشمہ اور انسانوں کے لیے زندگی کا ضابطہ ہے' ایک ایسا ضابطہ جس پر عمل کر کے ہر انسان دین اور دنیا دونوں میں کام یاب ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر ایک خاص کرم یہ ہے کہ اس نے اس مہینے میں ہمیں پاکستان عطا کیا' ایک ایسا ملک جس میں ہم آزاد ہیں' جہاں ہم قرآن کے مطابق اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں' جہاں ہم بھلائی اور نیکی کو اجتماعی طور پر اختیار کر سکتے ہیں اور ایک ایسی برادری اور ایک ایسا معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جس میں سب ایک دوسرے کی بھلائی اور خوشی چاہتے ہوں اور بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہم ایسا کرتے بھی ہیں؟ اگر نہیں کرتے تو ہمیں کس نے روکا ہے؟ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ سے یہ سوال کرے اور اس کا جواب سوچے۔

(اپریل ۱۹۸۸ء)

رمضان کی نعمتیں

رمضان کا مہینہ رحمتوں' برکتوں' سعادتوں اور نعمتوں کا مہینہ ہے۔ اس کی آمد پر ہر مسلمان خوش ہوتا ہے اور روحانی امیدوں کے ساتھ اس مہینے کا استقبال

کرتا ہے۔ اس میں چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، عورت، مرد، مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی، کالے، گورے کی تمیز نہیں۔ فرق ہے تو بس ایمان اور عقیدے کا۔ جس کا ایمان جتنا مضبوط ہوتا ہے وہ اتنی ہی خوشی کے ساتھ رمضان کے آنے سے خوش ہوتا ہے اور رمضان کے آنے کے بعد روزے رکھتا، نماز اور قرآن شریف پڑھ کر اللہ کو خوش کرتا ہے اور روحانی ترقی حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی رمضان ہی میں نازل ہونی شروع ہوئی۔ قرآن حکیم ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ یہ تمام دنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں تمام انسانوں کی بھلائی اور نجات ہے۔ قرآن ہمیں زندگی گزارنے کا سیدھا اور سچا راستہ بتاتا ہے۔ قرآن پڑھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ جو شخص قرآن جتنا زیادہ پڑھتا ہے، اتنا ہی وہ ثواب کماتا ہے۔ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کریں۔

قرآن کی ہدایتوں پر عمل کرنے سے ہمارے اخلاق سنور سکتے ہیں۔ ہمارا کردار اعلا ہو سکتا ہے۔ ہماری عادتیں درست ہو سکتی ہیں۔ قرآن پڑھنے سے مسلمانوں میں باہمی محبت بھی بڑھتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ بڑھتا ہے۔

رمضان میں روزانہ قرآن کی تلاوت کرو اور کم سے کم ایک آیت کا ترجمہ بھی پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کرو۔ (اپریل ۱۹۸۹ء)

روزے کا مقصد

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کس لیے پیدا کیا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا تو کیا انسان ہر وقت

عبادت ہی کرتا رہے' کوئی اور کام نہ کرے؟ اور کیا ایسا کرنا ممکن ہے کہ ایک آدمی ہر وقت نماز' روزہ ہی کرتا رہے' نہ پڑھے نہ لکھے' نہ کمائے اور نہ شادی بیاہ کرے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہاں انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت عبادت کرتا رہے' لیکن عبادت کسے کہتے ہیں؟ کیا صرف نماز روزہ ہی عبادت ہے؟ جی نہیں' صرف نماز' روزہ اور زکوٰۃ اور حج ہی عبادت نہیں ہے' بلکہ ہر کام عبادت ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا ایمان پکا ہو۔ اس کی نیت اچھی ہو اور اس کا جذبہ یہ ہو کہ وہ جو کام بھی کرے وہ اللہ کی خوشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کے مطابق ہو۔ اگر یہ شرط پوری کرے اور مسلمان کو یقیناً یہ شرط پوری کرنی چاہیے تو پھر اس کا ہر کام عبادت ہے۔ علم حاصل کرنا' نوکری کرنا' تجارت کرنا' پڑھانا' مضمون لکھنا' علاج کرنا' بیوی بچوں کے آرام کے لیے محنت کرنا' لوگوں کی مدد کرنا غرض دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو اسلامی اصولوں کے مطابق ہو تو وہ عبادت نہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مہینے میں ہم پر روزے فرض کیے ہیں۔ ان کا مقصد بھی ہماری تربیت ہے اور ہمیں انسان بنانا ہے' نیک انسان۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم روزہ رکھیں تو صرف کھانا پینا ہی نہ چھوڑیں' بلکہ تمام برے کاموں سے پرہیز کریں۔ چوری نہ کریں' حلال کی روزی کمائیں' ماں باپ کی خدمت میں کمی نہ کریں' کسی کو دکھ نہ دیں' نماز پابندی سے پڑھیں' اپنی دولت میں سے ضرورت مندوں کی مدد کریں۔ ہاتھ پیر سے بھی ان کے کام آئیں۔ اگر ہم یہ نہ کریں تو روزے اور فاقے میں کیا فرق رہے گا!

(اپریل ۱۹۹۰ء)

نزولِ قرآن کا مہینہ

رمضان کا مہینہ بڑا مبارک مہینہ ہے۔ یہ رحمتوں، برکتوں، نعمتوں اور سعادتوں کا مہینہ ہے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو ہر مسلمان خوش ہوتا ہے۔ اس مہینے کی بات ہی کچھ اور ہے اور کیوں نہ ہو، اسی مہینے میں قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہوا۔

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن (البقرۃ۔ آیت ۱۸۵)

قرآن ہماری زندگی کا دستور ہے۔ اس میں ہمارے لیے ہدایت ہے، رہ نمائی ہے، روشنی ہے۔ ہمیں اس کو پڑھنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ سمجھ کر پڑھیں۔ زیادہ نہیں تو تھوڑا تھوڑا ہی پڑھیں اور اس سے روشنی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی قرآن کی باتیں بتائیں۔

قرآن ہمیں سیدھا سچا راستہ بتاتا ہے۔ اس راستے پر چلنے میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور بھلائی ہے۔ قرآن حکیم کی پہلی آیت جو ہمارے پیارے نبیؐ پر نازل ہوئی اس کا پہلا لفظ ''اقرأ'' ہے۔ اقرا کے معنی ہیں ''پڑھو''گویا قرآن کی سب سے پہلی تعلیم علم ہے، اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ علم ہی سے آدمی انسان بنتا ہے۔ علم نہ ہو تو آدمی جاہل رہتا ہے۔ جہالت تاریکی ہے۔ تاریکی انسان کو بھٹکاتی ہے۔ اندھیرے میں انسان راستہ بھول جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بار بار علم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ علم حاصل کرنے کا بہترین وقت بچپن ہے۔ بچپن میں انسان ہر نیا کام آسانی سے سیکھ لیتا ہے۔ تم جتنی آسانی سے علم حاصل کر سکتے ہو اتنی آسانی سے بوڑھے لوگ حاصل نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کو بہت کام کرنے ہوتے ہیں اور ان کا ذہن کئی طرف لگا رہتا ہے۔

رمضان میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ نماز پابندی سے پڑھنی

چاہیے اور روزے رکھنے چاہئیں۔ روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ رمضان کے روزے ہمیں بہت سے فائدے پہنچاتے ہیں۔ ان سے اللہ میاں کی خوش نودی حاصل ہونے کے علاوہ صحت بھی اچھی ہوتی ہے۔ اگر تمھاری عمر ابھی روزے رکھنے کی نہیں ہوئی ہے تو قرآن پڑھو اور علم حاصل کرو۔ علم حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔ (اپریل ۱۹۹۱ء)

کردار کی تعمیر کرو

نونہال ہر ملک اور ہر قوم کی دولت ہوتے ہیں۔ مستقبل کے لیڈر اور مستقبل کے معمار وہی ہوتے ہیں۔ وہی ملک کے آئندہ وارث اور پرانی نسل کے جانشین ہوتے ہیں، اس لیے ہر ملک اور ہر قوم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے نونہالوں کی صحت کا خیال رکھیں۔ انھیں بہتر سے بہتر تعلیم دیں اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اپنی ثقافت کی روشنی میں ان کی ایسی تربیت کریں کہ ان میں سے محمد بن قاسم، صلاح الدین ایوبی، سر سید احمد خاں، ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح جیسی شخصیتیں ابھریں۔

رمضان شریف کا بابرکت مہینہ آگیا ہے۔ نونہالوں کے کردار اور شخصیت کی تعمیر کے لیے یہ بہترین موقع ہے۔ اگرچہ امیر غریب، مرد عورت سب کا روزہ رکھنا بہت ہی اچھی بات ہے، لیکن نونہالوں کے روزے کی اور بات ہے۔ ان کے صوم و صلوٰۃ کی الگ شان ہے۔ کتنے اصرار سے اور کتنی عقیدت سے وہ اپنی امی سے کہتے ہیں کہ امی مجھے سحری کے لیے جلد جگایئے گا۔ پھر ماشاء اللہ پانچوں نمازیں باقاعدگی سے با جماعت پڑھتے ہیں۔ عصر ہی سے وہ افطاری کی تیاری میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ جب موقع ملتا ہے تلاوت کرتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش ہوتی

ہے کہ اس مبارک مہینے میں وہ ختم قرآن کی سعادت حاصل کرلیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں نونہال کوئی بے معنی لفظ منھ سے نہیں نکالتے۔ کسی سے الجھتے نہیں۔ پانچوں نمازوں کے لیے تازہ وضو کرتے ہیں۔ اپنے کپڑے اور اپنا بدن پاک صاف رکھتے ہیں۔ بزرگوں کی عزت کرتے ہیں اور جس کو مدد کی ضرورت ہو اس کی مدد کرتے ہیں۔

یہ تمام باتیں جو ہمارا دین سکھاتا ہے' کردار کے بنیادی پتھر ہیں۔ انھی پر کردار کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ اگر تمام نونہال ان اچھی باتوں کو اپنی عادت بنالیں اور ان کے ماں' باپ اور استاد اس کام میں ان کی مدد کریں تو ہماری قوم کا مستقبل شان دار اور تاب ناک ہوگا۔ (فروری ۱۹۹۴ء)

روحانی اور اخلاقی تربیت

رمضان المبارک میں ہم مسلمان روزے رکھتے ہیں۔ روزوں میں ہم بہت سی باتوں سے بھی پرہیز کرتے ہیں جو عام دنوں میں جائز ہوتی ہیں۔ یہ مقدس مہینہ ہماری روحانی اور اخلاقی تربیت کا مہینہ ہے۔ اس مہینے میں ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہم ایک اچھے مسلمان بنیں اور اپنے ایمان کو تازہ اور پختہ کریں۔

ایمان کے تقاضوں میں علم اور اخلاق کو اولیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل فرمائی اس کا پہلا لفظ ہی "اقرأ" ہے۔ پھر قرآن حکیم کی بہت سی آیات سے علم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"طالب علم کے راستے میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔"

اس لیے نونہال تعلیم حاصل کرنے اور اپنا علم بڑھانے میں جتنی بھی محنت

کریں اور جتنا بھی وقت دیں، کم ہے۔ موجودہ زمانہ بھی علم کی ترقی کا زمانہ ہے اور اس میں عزت کے ساتھ زندہ رہنے کے لیے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ علم حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔

اخلاق بھی ایمان کا حصہ ہے۔ ایمان کے ساتھ نیک عمل بھی ضروری ہے۔ نیک اعمال کا نام ہی اخلاق ہے۔ ہمارے آقا سرور عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "میں صرف نیک اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں!"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے:

"قیامت کے روز تم میں سے مجھے سب سے پیارے اور میرے سب سے نزدیک وہ ہوں گے جو تم میں سے خوش اخلاق ہیں۔"

اس لیے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ اس متبرک مہینے میں اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق اور اپنی عادتوں کو اچھا بنائیں۔ اللہ کے بندوں اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور ان کے کام آئیں۔ (فروری ۱۹۹۵ء)

حج --- مساوات کا مظہر

تمام انسان جو تھے، جو ہیں، جو ہوں گے وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس حیثیت سے تمام انسان برابر ہیں۔ حج کا عظیم اجتماع یہی ثابت کرتا ہے۔

حج اسلام کا اہم رکن ہے اور ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو مکۃ المکرمہ پہنچنے کی حیثیت رکھتا ہو۔ حج ایسی عبادت ہے جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ حج ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کا دن گزارنا حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ اس دن مشرق و مغرب،

شمال و جنوب، عرب و عجم غرض روئے زمین کے ہر خطے اور ہر علاقے سے آنے والے بالکل ایک جیسے سادہ و فقیرانہ لباس میں دنیا داری کے ہر ساز و سامان سے بے نیاز صرف اللہ کو پکارنے، اس کے سامنے اپنی اپنی بندگی اور عاجزی کا اقرار کرنے اور اس کی رحمت طلب کرنے جمع ہوتے ہیں۔ شاہ و گدا، امیر و غریب، حاکم و محکوم میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ بقول علامہ اقبال :

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

برابری اور مساوات کے اس بے مثال مظاہرے کے ساتھ اللہ کے حکم پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کا نام حج ہے اور یہی حج کا پیغام ہے۔ حج کرنے کے بعد ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنی باقی زندگی اطاعت، دیانت، امانت اور عبادت کے اعلا ترین معیار کے مطابق بسر کرے اور دوسروں کے لیے ایمان و پاکیزگی کی مثال بنے۔ حج کرنے کے بعد اگر کسی مسلمان نے اپنی زندگی اسلام کے مطابق نہیں ڈھالی تو گویا اس نے حج کا پیغام نہیں سمجھا۔ (اگست ۱۹۸۷ء)

دنیا بھر کے مسلمانوں کا اجتماع

اس سال بھی تمام دنیا کے مسلمان مکۂ مکرمہ میں حج کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ اس بار کوئی بیس لاکھ مسلمان حج کی سعادت سے فیض اٹھائیں گے۔ ذرا غور فرمائیے کہ اس سے بڑا جلسہ، اتنا بڑا اجتماع کبھی ہوا ہے! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقیدت و محبت کی قدر فرماتے ہوئے آپ کے بنائے ہوئے گھر کو اپنا گھر قرار دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ چھوٹا سا گھر اپنے معبود کی عبادت کے لیے خود بنایا تھا اور کسی غرض اور کسی فائدے کے لیے نہیں، بلکہ صرف عبادت کے لیے، اللہ کو خوش رکھنے کے لیے بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ خوش ہوا

اور اس نے اس گھر کو وہ عزت' وہ عظمت' وہ تقدس عطا کیا کہ رہتی دنیا تک تمام مسلمان اس کی طرف منھ کر کے عبادت کرتے رہیں گے۔ سال میں ایک بار زمین کے کونے کونے سے مسلمان یہاں جمع ہو کر اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ کعبہ کروڑوں مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز ہے۔

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے اور ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اپنے گھر سے اللہ کے گھر تک جانے کی طاقت رکھتا ہو اور خرچ برداشت کرسکتا ہو' لیکن حج ایک اعتبار سے سب سے بڑی عبادت بھی ہے' کیوں کہ جو شخص حج کا ارادہ کرتا ہے اس کو اپنے پروردگار سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت' اپنا وقت' اپنا پیسہ' سفر کی تکلیفیں' موسم کی شدتیں اور اپنے پیاروں سے جدائی سب کچھ خوشی خوشی گوارا کرتا ہے اور صرف اللہ کے لیے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ وہاں لاکھوں دینی بھائی اس کو ملتے ہیں۔ ان سے محبت کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ خلوص بڑھتا ہے۔ ان کے جذبے کو دیکھ کر اس کا جذبہ اور شوق اور زیادہ بڑھتا ہے۔ اللہ کے حکموں کی پابندی کرنے' دین کی خدمت کرنے' اپنے بھائیوں کے قریب آنے اور ان کی بھلائی چاہنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔ اس کو دین کے لیے ہر کام کرنے میں مزہ آنے لگتا ہے اور حج سے مشرف ہو کر وہ اپنے عمل سے اسلام کی خوشبو پھیلانے اور محبت کے پھول مہکانے کا جذبہ لے کر اپنے وطن لوٹتا ہے۔

(جولائی ۱۹۹۰ء)

حج — اللہ کی محبت اور اطاعت کا اظہار

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور اس کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت اور اپنے جذبۂ اطاعت کا اظہار

اس طرح فرمایا کہ عرب کے مکّہ شہر میں اللہ کے حکم سے ایک گھر تعمیر کیا اور یہ گھر کعبتہ اللہ کہلایا اور جبھی سے سال میں ایک بار ساری دنیا کے مسلمان خانۂ کعبہ میں جمع ہو کر اللہ کی عبادت اور اس کے گھر کا طواف کرتے ہیں۔ اسے ہم حج کہتے ہیں۔ خانۂ کعبہ آج دنیا بھر کے مسلمانوں کی نگاہوں کا مرکز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر اس مسلمان پر حج فرض قرار دیا ہے کہ جو خانۂ کعبہ تک جانے کی طاقت اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی حیثیت رکھتا ہو۔ چناں چہ ہر سال لاکھوں مسلمان حج کرنے مکّہ جاتے ہیں اور وہاں اللہ کے نیک بندوں کا عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے۔

مسلمان اللہ کی رضا اور خوش نودی حاصل کرنے کے لیے سفر کی تکلیفیں اور پریشانیاں بھی برداشت کرتے ہیں اور اپنا مال و دولت بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ عرفات کے میدان میں، منیٰ میں، خانۂ کعبہ میں اور مدینۂ منورہ میں لاکھوں مسلمان بھائیوں سے ملتے ہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل کر کے جو روحانی خوشی انھیں ملتی ہے اس کا کوئی بدل نہیں۔

حج کے اگلے دن یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے۔ یہ عید حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اللہ کی راہ میں قربانی دینے کی یادگار ہے۔ یہ اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ ایک سعادت مند بیٹے نے اپنے رب اور اپنے والد کے حکم پر سر جھکا دیا اور اطاعت و فرماں برداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت اسماعیلؑ کی یہ اطاعت بہت پسند آئی۔ لہٰذا اس نے ایک دنبہ بھیج دیا جو حضرت اسماعیلؑ کے بدلے میں قربان ہوا اور پھر قربانی کی اس رسم کو ساری امت مسلمہ کے لیے سنت ابراہیمی بنا دیا۔ مسلمان عید الاضحیٰ کے دن اسی روایت کو تازہ کرتے ہیں۔

(مئی ۱۹۹۵ء)

سچی خوشی کا مزہ

مسلمان مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اس کی خوشی میں شریک ہوتا ہے۔ پریشانی میں اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اس پر کوئی زیادتی نہیں ہونے دیتا۔ نہ خود اس پر کوئی ظلم کرتا ہے اور نہ دوسروں کو ظلم کرنے دیتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اپنے بھائی کی کوئی حاجت پوری کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پورے کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کرے گا۔

اگر سب بھائی آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہوں' ایک دوسرے کے مصیبت میں کام آئیں' ایک دوسرے کا غم بٹائیں تو زندگی کتنی مزے دار ہو جائے۔ اگر کوئی بھائی کسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے' اس کے پاس کسی چیز کی کمی ہو جائے' اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو دوسرے بھائی آگے آئیں اور اس کا ساتھ دیں تو اس کی پریشانی دور ہو سکتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ہر آدمی صرف اپنی بھلائی میں لگا رہے اور دوسرے بھائی کی پروا نہ کرے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ یہی ہوگا کہ ایک بھائی تو بہت خوش ہے' مگر دوسرا بھائی تکلیفوں میں مبتلا ہے۔ اس میں مزہ نہیں ہے۔ مزہ اسی وقت ہے جب سب مزے میں ہوں۔ سب خوش ہوں اور ایک دوسرے کی بھلائی چاہیں' ایک دوسرے کے کام آئیں۔ کسی کو پریشان نہ دیکھ سکیں۔ سچی خوشی اسی کو کہتے ہیں۔

عید منانے کا مزہ بھی اسی وقت آتا ہے جب سب بھائی خوش ہوں۔

(جون ۱۹۸۶ء)

گلے شکوے بھلا دینے کا دن

میل محبت، خلوص و انس اور دوستی میں جو مزہ ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔ پیار بھری مسکراہٹ میں جو لطف ہے اس پر ہر دولت قربان کی جاسکتی ہے۔ دو انسانوں کے درمیان محبت اور بھائی چارا انسانیت کی معراج ہے۔

اسلام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمارے پیارے آقا، نبیوں کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"اپنے بھائی کے لیے مسکرا دینا بھی صدقہ ہے۔"

اگر ہم اپنے بھائی کے لیے کچھ اور نہیں کر سکتے تو یہ خوشی تو اس کو دے سکتے ہیں کہ مسکرا کر اس کے دل میں اعتماد و انس کا جذبہ پیدا کر دیں۔ اسلام کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔ کوئی حاکم نہیں اور کوئی محکوم نہیں۔ ہاں بس بڑا وہ ہے جو زیادہ نیک ہے، جو ایمان دار ہے، جو شریف ہے، جو محبت والا ہے، جو معاف کرنے والا ہے۔ ایمان والے ہر اس انسان سے مل کر خوش ہوتے ہیں جو اللہ کا اچھا بندہ ہو۔ اچھا بندہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں سے پیار کرے۔ اسلام کی نگاہ میں سارے انسان اللہ کا کنبہ ہیں۔ سرکارؐ کی ایک اور حدیث ہے :

"اللہ قیامت کے دن تمھارا حسب نسب نہیں پوچھے گا۔ اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

رمضان اور عید دونوں ہمیں محبت کا، تعاون کا، ایک دوسرے کے لیے خوش ہونے اور خوشیاں پھیلانے کا پیغام دیتے ہیں۔ عید کے دن اپنے دوست، اپنے

بھائی سے گلے ملو تو سارے شکوے شکایتیں بھلا دو۔ (مئی ۱۹۸۸ء)

عید کی خوشی سب کی خوشی

رمضان کے بعد عید آتی ہے۔ روزے داروں کو اللہ میاں عید کی خوشیاں عطا کرتا ہے۔ رمضان میں انسان کی تربیت ہوتی ہے۔ بھوک پیاس کی عادت پڑتی ہے اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کا موقع ملتا ہے۔ اس کے بعد عید آتی ہے۔

چھوٹے بڑے، امیر غریب سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ نونہال خاص طور پر خوش ہوتے ہیں۔ ان کو اچھے اچھے کپڑوں اور اچھے اچھے کھانوں کے علاوہ عیدی بھی ملتی ہے اور ان کی جیب پیسوں سے بھر جاتی ہے۔

انسان کو سچی خوشی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب اس میں دوسرے شریک ہوں۔ عید کی خوشی بھی اسی لیے خوشیوں میں سب کے ساتھ شامل ہوں اور ہمارے جو بھائی کسی وجہ سے عید کی خوشیاں معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم عید کی خوشیوں میں سب کے ساتھ شامل ہوں اور ہمارے جو بھائی کسی وجہ سے عید کی خوشیاں نہ منا سکتے ہوں ان کو اس قابل بنائیں کہ ان کی بھی عید ہو اور وہ مایوسی اور پریشانی کا شکار نہ ہوں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا ہے اس میں دوسروں کا بھی حصہ ہے۔ سب سے پہلے تو اپنے عزیز اور رشتے دار ہیں، محلے والے ہیں اور پھر وہ لوگ ہیں جن کے متعلق آپ کو معلوم ہو کہ وہ بھی ضرورت مند ہیں اور آپ ان کی مدد کریں گے تو وہ بھی سکون سے، آرام سے زندہ رہ سکیں گے۔ اگر آپ کے کسی ساتھی

کے متعلق آپ کو معلوم ہو کہ اس کے ماں باپ تکلیف میں ہیں اور وہ اپنے بچے کی فیس نہیں دے سکتے یا اس کے لیے کتابیں نہیں خرید سکتے یا اس کے لیے یونی فارم نہیں بنوا سکتے تو آپ اس کے ساتھ تعاون کیجئے۔ آپ کا ساتھی، آپ کا دوست خوش ہو گا تو آپ کو بھی زیادہ خوشی ہو گی اور سکون ملے گا۔

(مئی ۱۹۸۹ء)

عید -- انعام بھی پیغام بھی

عید کے معنی خوشی ہیں۔ رمضان کے پہلے روزے سے عید کا انتظار اور انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ خوشی کے لمحوں کے انتظار میں ایک ایک دن گنا جاتا ہے۔ خوشی کسے عزیز نہیں ہوتی، خاص طور پر نونہالوں کو عید کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہ عید کے استقبال کے لیے خوب تیاری کرتے ہیں، لیکن کیا نئے کپڑے پہن کر، خوب پیسہ خرچ کر کے، مزے مزے کی چیزیں کھا کر وہ خوشی ہو سکتی ہے جو رمضان کے پورے روزے رکھ کر، اپنی خوشی میں اپنے عزیزوں کو، دوستوں، ساتھیوں کو شریک کر کے اور غریبوں، یتیموں، ضرورت مندوں کی مدد کر کے حاصل ہوتی ہے۔

عید مسلمانوں کی اجتماعی خوشی ہے۔ رمضان کے روزے رکھ کر ہماری تربیت ہوتی ہے۔ غریب بھوکے پیاسے آدمی کی جو حالت ہوتی ہے، اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جو مزہ ہے، ہم اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک مہینے کی اس تربیت کے بعد عید کی شکل میں ہمیں انعام ملتا ہے۔

۱۹۴۷ عیسوی (۱۳۶۶ ہجری) میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ۲۷ رمضان کو پاکستان جیسی نعمت عطا کی تھی۔ نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے

کہ اس نعمت کی دل سے قدر کی جائے، حفاظت کی جائے۔ کیا ہم پاکستان کی قدر کرتے ہیں؟ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ نہیں کرتے، مگر پھر بھی کچھ کسر ہے۔ پاکستان نے ہمیں کیا کچھ نہیں دیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ پاکستان کی اتنی ہی قدر کریں۔ اس کی ترقی، خوش حالی، امن، سکون، اتحاد، آپس کی محبت، ایک دوسرے کی مدد کے لیے کوشش کریں۔

عید بھی ہمیں یہی پیغام دے رہی ہے۔ (مئی ۱۹۹۰ء)

عید کی سچی خوشی

عید کے معنی کیا ہیں؟ عید کے لفظی معنی ہیں بار بار آنے والی چیز۔ عید کے معنی خوشی، مسرت، فرحت اور جشن کے بھی ہیں۔ مسلمان ہر سال رمضان کے بعد جو خوشی مناتے ہیں اس کو عید الفطر کہتے ہیں۔ میٹھی عید بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

سچی خوشی کبھی اکیلے نہیں منائی جاتی بلکہ دوسروں کے ساتھ مل کر منائی جاتی ہے۔ انسان کا دل اسی وقت خوش ہوتا ہے جب دوسرے بھی خوشی میں شامل ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خوشی ملے، مگر تمھارے بہن بھائی، ماں باپ، دوست اور ساتھی اس سے خوش نہ ہوں تو تمھارا دل بھی بجھ جائے گا اور تمھاری خوشی بھی ادھوری رہ جائے گی۔

عید کی خوشی بھی اس لیے زیادہ خوشی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ سارا گھر عید کی تیاری کرتا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے جاتے ہیں۔ عید کی صبح سب اکٹھے تیار ہوتے ہیں۔ سب مل کر عید کی نماز کو جاتے ہیں۔ عید کی جماعت بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ عید گاہ میں ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ نماز

کے بعد گلے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

نماز کے بعد محلے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عزیزوں کے ہاں ملنے جاتے ہیں۔ اچھے اچھے کھانے کھائے جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں۔

بزرگ اپنے بچوں کو اور چھوٹوں کو عیدی دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو بچے (یا بڑے بھی) اپنے حالات کی وجہ سے عید کی تیاری نہیں کر سکتے ہم ان کو یاد رکھیں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ بھی عید کی خوشیاں پوری طرح منا سکیں۔

جس دن ہمارے ملک میں کوئی بھوکا ننگا اور محتاج نہیں رہے گا وہ دن ہمارے لیے سب سے بڑی عید کا دن ہوگا۔ (اپریل ۱۹۹۳ء)

روزانہ عید کا سماں ہو

ہر انسان اپنے رشتے داروں سے محبت کرتا ہے' ان کی بھلائی چاہتا ہے' ان کے کام آتا ہے' ان کے لیے دعا کرتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان ایک رشتہ اسلام کا بھی ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے اور دینی رشتے سے ہر مسلمان ہمارا بھائی اور رشتے دار ہے۔ قرآن شریف میں ہے :

انما المؤمنون اخوۃ (سورۂ حجرات۔ آیت ۱۰)

(مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)

اس لیے ہمارا رویہ اور سلوک ایک مسلمان بھائی کے ساتھ بھی اسی طرح خیر خواہی کا ہونا چاہیے جس طرح اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو ہمیں بھی اس کا درد محسوس ہو۔ ہم سے جو کچھ ہو سکے وہ

ہم ضرور کریں۔ ہم جتنی مدد بھی ہو سکے اس میں دیر یا تامل نہ کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑ دے، ملاقات ہو تو ایک مسلمان ایک طرف منھ پھیر لے اور دوسرا مسلمان دوسری طرف منھ پھیر لے۔ ان دونوں میں اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔"

جس شخص کو اپنے دین سے محبت ہوتی ہے اس کو ان لوگوں سے بھی محبت ہوتی ہے جو اس دین کو مانتے ہیں۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے مل کر جو خوشی ہوتی ہے وہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کو اسلام سے محبت ہے۔ کوئی مسلمان جب دوسرے مسلمان کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا بلکہ تکلیف میں دیکھ بھی نہیں سکتا تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خود اس کو تکلیف پہنچائے۔

ہم سب کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی بھلائی چاہیں۔ آپس میں کام آئیں اور ایک دوسرے کی خوشی سے خوش ہوں۔ اس طرح ہمارے ملک میں روزانہ عید کا سماں ہوگا۔ (مارچ ۱۹۹۴ء)

خوشیوں کا پیغام

عید الفطر خوشیوں کا پیغام لاتی ہے۔ خاص طور پر روزے داروں کے لیے یہ زیادہ مسرت کا دن ہوتا ہے کہ انھوں نے رمضان المبارک کے مہینے میں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق زندگی گزاری۔ اس مقدس مہینے میں احکام الٰہی کی خاص پابندی کے علاوہ اللہ کے بندے آپس میں زیادہ قریب ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور تعاون میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرے کے کام آنا ہمدردی ہے، لیکن ہمدردی کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث ہو۔ اگر ایک شخص دوسرے سے اس لیے ہمدردی کرے کہ آئندہ اس سے اچھا بدلا ملنے کی امید ہو یا دوسرا اس ہمدردی کے جواب میں احسان مند اور شکر گزار ہو گا یا اس ہمدردی سے لوگ اس کی تعریف کریں گے تو یہ سچی ہمدردی نہیں ہوئی، کیوں کہ اس میں غرض شامل ہو گئی۔ اسلام ایسی ہمدردی نہیں چاہتا۔ اسلامی ہمدردی یہ ہے کہ انسان صرف اللہ کو خوش کرنے اور اس کے بندوں کو خوشی اور آسانی پہنچانے کے لیے کسی کے کام آئے۔

ایسی ہمدردی میں خود ہمدردی کرنے والا بھی خوش ہوتا ہے اور اس کو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی ہمدردی کا بدلا اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں آتا ہے کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی شخص نیکی کرے تو اس کو خوشی اور سکون حاصل ہو۔ ہمدردی بھی ایک نیکی ہے۔ ہمیں بے غرض ہمدردی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اس طرح ہمارے دوست اور ساتھی بھی خوش ہوں گے اور ماحول میں خوشیاں بکھر جائیں گی۔ (مارچ ۱۹۹۵ء)

عید کی خوشی سب کے لیے

رمضان جیسے مبارک اور مقدس مہینے کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں عید کی خوشیاں عطا کرتا ہے۔ رمضان میں مسلمان خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور روزہ، نماز کے علاوہ کلام پاک کی تلاوت اور دوسری عبادتیں کرتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ تربیت کا مہینہ ہے۔ اچھے مسلمان اس مہینے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ہم پاکستانیوں کے لیے خاص طور پر اہم ہے' کیوں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں آزادی جیسی نعمت عطا کی اور ہمیں ایک عظیم ملک بخشا تاکہ ہم اس میں پوری آزادی کے ساتھ دین اور دنیا کی نعمتوں اور راحتوں سے مستفید ہوں۔ ہم نے پاکستان اس لیے مانگا تھا اور ہزاروں لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی تھیں تاکہ اپنے ملک میں آزاد ہوں اور ہم اس میں ایک سچی اور اچھی حکومت قائم کر سکیں' اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزار سکیں' ہمارے عوام کو بھی زندگی کی نعمتیں میسر ہوں۔ اس لیے رمضان المبارک اور اس کے بعد عید کی خوشیوں میں بھی ہمیں یہ مقصد نہیں بھولنا چاہیے۔ اب تک ہم اس مقصد میں کام یاب نہیں ہو سکے ہیں۔ ہمارے رہنماؤں اور حکمرانوں نے بھی اس مقصد کو فراموش کر دیا ہے اور وہ راستہ بھٹک گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان سے سکون ختم ہوگیا۔ شریف انسان پریشان ہوگئے اور پریشانی نے ان کے نیک جذبات اور وطن کی محبت کو کم زور کر دیا۔

نونہالوں کو عید کی خوشیاں منانے کے ساتھ ساتھ اپنے پاکستان اور پاکستان کے مشکل میں پھنسے ہوئے عوام کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے اور اپنی حیثیت کے مطابق اپنے عزیزوں' ساتھیوں اور دوستوں کو بھی خوشی میں شریک کرنا چاہیے۔

تمام نونہالوں کو عید مبارک پیش کرتا ہوں۔ (فروری ۱۹۹۸ء)

قربانی کا عہد تازہ کرو

حضرت ابراہیم علیہ السلام' خلیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے دوست) تھے۔ امت مسلمہ کے باپ تھے۔ آپ نے اللہ کا حکم ماننے' اس کی رضا کے آگے سر جھکا

دینے اور قربانی دینے کی جو مثال قائم کی ہے وہ دنیا کی تاریخ میں سب سے روشن مثال ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید (ایک ماننے) میں بلند ہمتی اور حق پر قائم رہنے کا اعلا ترین معیار قائم کیا۔ قوم نے حضرت ابراہیمؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بادشاہ وقت نے آپ کو زندہ جلا دینے کے لیے آگ جلائی۔ آپ اس میں نڈر ہو کر کود پڑے، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے صحیح سلامت نکلے۔ آپ نے اپنے چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکم الٰہی کے مطابق قربان کرنے میں تامل نہیں کیا۔ عید قرباں (عیدالاضحیٰ) کا دن اسی "ذبح عظیم" کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ یہ جانوروں کی قربانی اصل میں ایک علامت ہے، ایک مشق ہے۔ ظاہر میں تو ہم کسی جانور کو قربان کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ ہماری خواہشوں اور تمناؤں کی قربانی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے آگے اپنی مرضی اور اپنے ارادے کو قربان کر دینے کا نام ہی اسلام ہے۔ جانوروں کی قربانی تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اس کی راہ میں اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد، سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ یہی حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ اور نمونہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے ساتھیوں نے جب ایک بار قربانی کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا :

"یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کی سنت (طریقہ) ہے۔"

اگر ہم جانوروں کو تو قربان کرتے رہیں، لیکن ہمارے دل میں اللہ کی مرضی کے آگے اپنی خواہشوں، اپنے ارادوں، اپنے مال اور اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ نہ ہو تو یہ قربانی سچی قربانی نہیں ہوگی۔ بے روح قربانی ہوگی۔

پاکستان اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ ہم نے جان اور مال کی قربانیاں دے کر اس کو حاصل کیا ہے۔ اس کو قائم رکھنا، اس کو دشمنوں سے بچانا بھی اور اللہ کی رضا اور خوش نودی حاصل کرنا ہے۔ عید قرباں کے مبارک دن ہمیں اپنے دین اور اپنے

وطن کے لیے ہر قربانی کا عہد تازہ کرنا چاہیے۔ (ستمبر ۱۹۸۵ء)

قربانی - سنّتِ ابراہیمی

ہمارے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زندگی کا صحیح راستہ بتایا، اندھیرے سے روشنی میں لائے۔ آپؐ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ کم لفظوں میں آپؐ بہت گہری اور بہت اہم باتیں بیان فرما دیتے تھے۔ ایک بار جب آپؐ کے ساتھیوں نے آپؐ سے قربانی کے بارے میں پوچھا کہ یہ کیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا:

"یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست (خلیل اللہ) حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کے لیے ان کو اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربان کر دینے کا حکم دیا۔ حضرت ابراہیمؑ فوراً حکم الٰہی پر عمل کرنے کو تیار ہو گئے۔ عید الاضحیٰ کا دن اسی "ذبح عظیم" کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جانور کی قربانی دینا اصل میں ایک علامت ہے، ایک مشق ہے۔ یہ قربانی ظاہر میں تو کسی جانور کی ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں اپنے جذبات کی، اپنی خواہشوں کی قربانی ہوتی ہے۔ اللہ کے حکم کے آگے اپنی مرضی، اپنی خواہش، اپنے ارادے کو قربان کر دینے کا نام ہی اسلام ہے۔ جانور کو قربان کرنا اس بات کی علامت یا نشانی ہے کہ بندہ اپنے آقا کی خوشی اور رضا مندی کے لیے اپنی عزیز ترین چیز جان بھی قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ یہ جذبہ ہی اصل چیز ہے۔ ہم جانور قربان کر دیں، مگر قربانی کا صحیح جذبہ پیدا نہ کریں تو کیا فائدہ! اللہ تعالیٰ کو کسی جانور یا کسی مال کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہم میں وہ جذبہ دیکھنا چاہتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کو اپنی اولاد قربان کر دینے پر تیار کر دیتا

ہے۔ نمائش یا دکھاوے کے لیے مہنگے مہنگے جانور خریدنا اور ان کو حلال کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ (اگست ۱۹۸۶ء)

اطاعتِ الٰہی کا اظہار

ہمارے دین کی بنیاد اطاعت پر ہے۔ اسلام کے معنی ہیں سر تسلیم خم کر دینا، فرماں برداری میں گردن جھکا دینا، اپنے آپ کو حوالے کر دینا۔ اسلام لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا۔ اس کے احکام کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ مسلمان ہونے کے بعد کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میری مرضی یہ ہے چاہے اللہ کی مرضی کچھ ہو۔ مسلمان تو اللہ کی رضا کا پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی جو مرضی ہو وہی مسلمان کی مرضی ہونی چاہیے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم کے آگے گردن جھکا دینے کی عظیم مثال قائم کی تھی۔ ایسی مثال تاریخ میں ہمیں کہیں اور نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ حضرت ابراہیمؑ ذرا سے تامل کے بغیر تیار ہو گئے اور آپ کے صاحب زادے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی خوشی خوشی قربان ہونے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اطاعت اور قربانی کا یہ نمونہ ہمیشہ ہمیشہ ہم مسلمانوں کی رہ نمائی کرتا رہے گا۔

ہم عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی جو قربانی کرتے ہیں وہ اصل میں حضرت ابراہیمؑ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں کرتے ہیں۔ اصل چیز جانوروں کا ذبح کرنا نہیں، بلکہ قربانی کی روح وہ جذبہ ہے کہ جو ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے پر آمادہ کرتا ہے۔ ہمیں صرف جانور قربان کر کے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ بس ہم

نے حکم الٰہی پر عمل کرلیا، بلکہ اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرنے اور اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا مستقل جذبہ پیدا کرنا چاہیے۔ (جون ۱۹۹۲ء)

قربانی کا سچا جذبہ

عید الاضحیٰ یا بقر عید کے تین دنوں میں ہم مسلمان جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں دنبہ، بکرا، بھیڑ، گائے یا اونٹ کو ذبح کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کی پیروی کی جاتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے اور خود حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی اپنی جان کی قربانی دینے کو خوشی خوشی تیار تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے جذبۂ قربانی سے خوش ہو کر بیٹے کی جگہ دنبے کی قربانی کا حکم دیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل چیز جانور نہیں ہے، بلکہ قربانی کا جذبہ ہے۔

آج ہم جب اپنا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اسی جذبے کی کمی نظر آتی ہے۔ قربانی تو ہم بڑی دھوم دھام سے کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قیمتی سے قیمتی جانور ذبح کریں اور لوگوں کو دکھائیں کہ ہم نے کتنا مہنگا جانور خریدا ہے، لیکن قربانی کی وہ روح ختم ہوتی جارہی ہے جو ہمیں اللہ کی راہ میں اپنی عزیز سے عزیز چیز کو قربان کرنے پر تیار کر سکے۔

ضرورت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کا سچا جذبہ پیدا کریں اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کی عادت ڈالیں۔ ہمیں اپنے ذاتی فائدوں کو قربان کر کے اپنے پیارے وطن پاکستان کی ترقی و خوش حالی

کے لیے کام کرنا چاہیے۔ ہمیں ہر کام کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ کہیں یہ کام اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف تو نہیں ہے اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ یہ کام پاکستان اور پاکستانی بھائیوں کے لیے نقصان دہ تو نہیں ہے۔ (جون ۱۹۹۳ء)

اطاعت اور ایثار کا سبق

عید خوشیوں کا پیام ہوتی ہے، یہ عید، عیدالاضحیٰ ہے۔ عید قرباں ہے۔ یہ ہمیں خوشیوں کے ساتھ قربانی کا درس بھی دیتی ہے۔ اطاعت کا سبق بھی دیتی ہے۔ انسان کی اعلا اخلاقی صفات میں سے قربانی بہت بڑی خوبی ہے۔ کسی عزیز چیز سے دوسروں کے لیے دست بردار ہو جانا مشکل کام ہے، لیکن یہ مشکل کام انسان ہی کرتے ہیں اور ایسے انسان ہی اچھے انسان ہوتے ہیں۔

قربانی انسان کو خود اپنی نظروں میں قابل عزت و احترام بنا دیتی ہے۔ کلام پاک کی سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

"کہہ دو میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔" (ترجمہ آیت ۱۶۲)

مسلمان کی قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا، اس کے حکم کی تعمیل کرنا اور اللہ کے بندوں کے لیے بھلائی چاہنا ہے۔ مسلمان اپنی سب سے عزیز چیز یعنی جان کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ یہ جذبہ اس کو دنیا کے دوسرے تمام خوفوں سے نجات دلا دیتا ہے اور اس طرح اس کے کردار میں روحانی اور اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے۔

اپنا پیارا وطن پاکستان بھی ہم نے جان و مال کی قربانی دے کر بنایا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہم اب بھی قربانی کے اسی جذبے کو برقرار رکھیں اور ایک دوسرے کے لیے اسی جذبے سے کام لیں۔

(جون ۱۹۹۴ء)

زندگی گزارنے کا صحیح راستہ

انسان دنیا میں رہتا ہے تو اس کو ہر قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ سونے جاگنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے سے لے کر پڑھنے لکھنے تک ہر کام ضروری ہے۔ یہ سب کام زندہ رہنے کے لیے ہیں۔ ہر انسان زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اسلام نے بھی ہمیں ان کاموں سے نہیں روکا ہے، بلکہ ان کاموں کو صحیح طریقے سے کرنے کی ہدایت کی ہے۔ بعض لوگ دنیا کی محبت کو برا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اسلام نے دنیا سے نفرت کرنے کی تعلیم دی ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ اسلام فطری مذہب ہے۔ وہ کسی ایسے کام کو منع نہیں کرتا جو فطرت کے مطابق ہو اور جس کو کرنے سے دوسرے انسانوں کو یعنی اللہ کی مخلوق کو تکلیف نہیں پہنچتی ہو۔ مثال کے طور پر ہر آدمی کو زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا پیسے کمانا برا یا ناجائز نہیں ہے، لیکن یہ کمائی محنت اور دیانت کے ساتھ ہونی چاہیے۔ محنت کے بغیر اور دھوکا دے کر یا جھوٹ بول کر جو پیسہ کمایا جائے، وہ اچھا نہیں ہے اور اسلام نے اس کو حلال قرار نہیں دیا ہے۔ ایسے پیسے میں برکت بھی نہیں ہوتی۔

اسی طرح علم حاصل کرنا بھی اچھی بات ہے، چاہے وہ علم دین کا ہو یا سائنس کا، لیکن علم حاصل کرنے میں بھی کوئی غلط طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ علم تو حاصل ہی اس لیے کیا جاتا ہے کہ زندگی گزارنے کا صحیح راستہ معلوم ہو۔ صحیح

راستہ یہی ہے کہ انسان دنیا میں رہے، لیکن دین کو نہ بھولے۔ ہر کام کرے، لیکن نیت اچھی رکھے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو یاد رکھے۔ دنیا کی محبت کو اعلا اصولوں پر، سچائی، ایمان داری، شرافت اور انسانیت پر غالب نہ آنے دے۔ ہر کام کرتے وقت جہاں اپنا، اپنی بھلائی کا خیال رکھتا ہے وہاں ملک اور ملت کا بھی خیال رکھے۔ (اکتوبر ۱۹۸۶ء)

یاد رکھنے کی باتیں

☆ کسی کم زور پر طاقت آزمانا بزدلی ہے۔
☆ بچوں اور عورتوں کو مارنا پیٹنا کم زوری اور بے وقوفی ہے۔
☆ کسی کا مال لوٹنا اور کسی کو بے روزگار کرنا بڑی بے دردی ہے۔
☆ کسی کا گھر تباہ کرنا بدتوفیقی ہے۔
☆ افواہوں پر بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تصدیق کیے یقین کر لینا تباہی کی علامت ہے۔
☆ کسی کے متعلق بری بات تحقیق کے بغیر مان لینا نادانی ہے۔
☆ کسی کی غلطی کا بدلا اس کے بھائی بیٹے سے لینا ظلم اور ناانصافی ہے۔

اس کے برخلاف

☆ برائی کا جواب بھلائی سے دینا شرافت ہے۔
☆ کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو ہمدردی سے سمجھانا اور اصلاح کرنا کردار کی بلندی ہے۔
☆ ایک دوسرے کے کام آنا بہت بڑی خوبی ہے۔

☆ ایک دوسرے کو معاف کر دینا بہت بڑی بڑائی ہے۔

☆ ایک دوسرے کو اذیت اور تکلیف سے بچانا بہت بڑا ثواب ہے۔

☆ غصے کو پی جانا بہت بڑی بہادری ہے۔

☆ لڑائی نہ کرنا اور لڑائی ہو جائے تو اس کو ختم کر کے صلح صفائی کی کوشش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔

☆ کسی کے عیب چھپانا بہت بڑے درجے کی ہمدردی ہے۔

جب بھائی بھائی

آپس میں جھگڑتے ہیں تو دونوں نقصان اٹھاتے ہیں اور دشمن خوش ہوتے ہیں۔

امن بہت بڑی نعمت ہے۔ آپس میں مل جل کر' پیار محبت سے رہنے میں بڑا مزہ ہے۔ (دسمبر ۱۹۸۶ء)

اپنا احتساب کرتے رہو

بعض لوگوں سے اگر کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو ان کو اس کا احساس ہوتا ہے' وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتے' لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو برائی کر کے بھی اس کو برا نہیں سمجھتے۔ یہ بات زیادہ بری ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ اپنا محاسبہ خود نہیں کرتے' اپنا جائزہ خود نہیں لیتے۔ اگر ہر آدمی اپنا' اپنے کاموں کا جائزہ خود لیتا رہے تو اس کے خیال اور عمل کی اصلاح خود بہ خود ہوتی رہے۔ اگر انسان سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو اس کو ماننا چاہیے۔ اسی طرح انسان آئندہ غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔

قرآن ہمیں سبق دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا محاسبہ خود کریں اور غور کریں کہ جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اور جو کام ہم کر رہے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط؟ نیک ہیں یا بد؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے۔ ہمیں اپنی عقل کو سب سے پہلے اپنے اعمال کے حساب کے لیے استعمال کرنی چاہیے کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اچھائی کے خانے میں رکھے جانے کے قابل ہے یا برائی کے خانے میں۔ اگر ہم یہی نہیں سمجھیں گے کہ ہم نے غلط کام کیا ہے تو اس کی اصلاح کیوں کریں گے۔ ایک بیمار آدمی کو اگر یہ معلوم ہی نہ ہو کہ وہ بیمار ہے تو وہ علاج کرنے کی کوشش کیوں کرے گا۔

جب ہمیں ایک دن اپنا حساب کرنا ہے تو بہتر ہے کہ یوم حساب سے پہلے خود بھی اپنا حساب کرتے رہیں۔ سارا جھگڑا تو یہی ہے کہ ہمیں اپنی غلطیوں کا احساس اور اعتراف نہیں ہے۔ ہمیں صرف دوسروں کی غلطیاں نظر آتی ہیں۔ اگر روزانہ رات کو سونے سے پہلے دن بھر کا حساب کر لیا کریں تو دوسرا دن بڑا اچھا اور اچھائیوں میں گزرے گا۔ (جنوری ۱۹۸۹ء)

کم وقت میں بہت سے کام

مجھ سے اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ آپ اتنا کام کیسے کر لیتے ہیں؟ بعض بچے بھی یہ سوال کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں، بس میں تو کام کرتا رہتا ہوں۔ ہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے، وقت ضائع نہیں کیا۔ وقت اتنا کم نہیں ہوتا جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ مثلاً اب میری عمر پورے ستر (۷۰) سال کی ہو گئی ہے۔ ذرا حساب تو لگایئے کہ ۷۰ سال میں کتنے گھنٹے ہوتے ہیں۔ جی ہاں، چھے لاکھ چار ہزار آٹھ سو گھنٹے۔ کیا چھے لاکھ گھنٹے کم

ہوتے ہیں؟ اصل میں ہم میں سے اکثر لوگ بہت وقت ضائع کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنی زندگی کا آدھا نہیں، چوتھائی وقت بھی کام میں صرف کریں یعنی کم و بیش ڈیڑھ لاکھ گھنٹے کام میں لائیں تو ہم کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ کتنی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، کتنی کتابیں پڑھ سکتے ہیں، کتنے تجربات کر سکتے ہیں، کتنے سفر کر سکتے ہیں، کتنے مریضوں کا علاج کر سکتے ہیں، کتنے پل بنا سکتے ہیں، کتنی ایجادات کر سکتے ہیں۔

وقت ضائع نہ کرنے کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ ہر کام کا وقت مقرر کر لیں۔ جب ہمیں یہ خیال ہوگا کہ اس وقت تک یہ کام ضرور پورا کرنا ہے تو ہمارا ذہن ادھر ادھر نہیں جائے گا اور ہم پوری یکسوئی سے کام کر لیں گے۔ ذہن سے جتنا کام لیا جائے وہ اتنا ہی اچھا کام کرتا ہے۔ ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کو اپنا وقت ضائع کرنے کا موقع نہ دو۔ اپنا ایک مقصد مقرر کر لو۔ یہ مقصد تمھیں جتنا عزیز ہوگا تم اس کو پورا کرنے کے لیے اتنا ہی دل لگا کر کوشش کرو گے، مقصد سے ہٹ کر کوئی کام نہیں کرو گے اور کم وقت میں بہت سے کام مکمل ہو جائیں گے۔

(جنوری ۱۹۹۰ء)

نئے سال کا خاص پیغام

میرے عظیم نونہالو!

قرآن حکیم میں ہے: "زیادتی کے ہم پلہ زیادتی، مگر صبر کرنے والوں کے حق میں صبر کرنا بہتر ہے" (سورۂ النحل۔ آیت ۱۲۶)۔ اسی بات کو قرآن کریم میں ایک جگہ کہا گیا ہے: "برائی کو حسن کلام اور حسن سلوک سے دور کرو" (سورۂ مؤمنون۔ آیت ۹۶)۔

میرے نونہالو! میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمھارے ساتھ کوئی برائی

کرے تو تم انتقام کی آگ میں کبھی نہ جلنا' بلکہ صبر کر کے معاف کر دینا :

ادفع بالتی ھی احسن السیئہ

یہ بہت بڑائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی تم سے غلط سلوک کرے تو تم اس کا جواب اچھے سلوک سے دینا۔ تم ہمیشہ غالب رہو گے۔

قرآن حکیم و کریم میں اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی ہے :

ن' و القلم وما یسترون

اس لیے قلم مقدس ہے۔ قلم مبارک ہے۔ قلم عظیم ہے۔ قلم رفیع ہے۔ جب قلم تمھارے ہاتھ میں آئے تو تم اس سے ہمیشہ سچ لکھنا۔ یہ سچ تم کو جرات عطا کرے گا۔ تم کو بڑا انسان بنائے گا۔

علم و حکمت حاصل کرنے میں محنت سے کبھی جی نہ چُرانا تاکہ تم جرات سے کہہ سکو کہ ناممکن میری لغت میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ نئے سال میں اگر تم نے میرے ان تجربات پر عمل کر لیا تو عظمت اور رفعت تم کو سلام کریں گی۔

(جنوری ۱۹۹۵ء)

وقت اور ذہانت کا صحیح استعمال

وقت ضائع کرنا کسی لحاظ سے اچھا نہیں ہے' بلکہ کوئی چیز بھی ضائع کرنا برا ہے۔ مثال کے طور پر اپنے علم اور اپنے ذہن کو کسی بے کار یا غیر مفید کام میں صرف کرنا علم اور ذہانت کو ضائع کرنے کے برابر ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ان کو کسی بامقصد اور مفید کام میں لگائے۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک شخص آیا اور اس نے اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنے کی اجازت چاہی۔ اجازت مل گئی تو اس نے دربار کے صحن کے بیچ

میں ایک سوئی اس طرح کھڑی گاڑ دی کہ سوئی کا ناکا زمین کے اوپر نکلا رہا۔ پھر اس سے ذرا دور جاکر ایک اور سوئی اس طرح پھینکی کہ وہ گڑی ہوئی سوئی کے ناکے میں چلی گئی۔ دربار میں موجود لوگ حیرت اور اس کے کمال کی تعریف کرنے لگے۔

ہارون الرشید پہلے تو چپ رہے، پھر انھوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو ایک دینار انعام میں دیا جائے اور دس دُرّے مارے جائیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ انعام اس کی ذہانت اور مشاقی کا ہے اور سزا اس بات کی ہے کہ اس نے اپنا وقت اور ذہن کسی مفید اور تعمیری کام میں صرف کرنے کے بجائے ایک فضول کام میں ضائع کیا۔

(جون ۱۹۹۶ء)

ایک افضل صفت

کسی تکلیف، اشتعال، درد اور جبر کو ٹھنڈے مزاج سے برداشت کرنے کو صبر کہتے ہیں۔ صبر کا الٹ کم ہمتی، کم برداشت اور کم استقلال ہے۔

صبر کی صفت جس طرح دین میں ایک افضل صفت ہے، اسی طرح دنیا میں بھی افضل صفت ہے۔ جو شخص محنت سے بچنے کے لیے کام کی تکمیل سے پہلے کام کو چھوڑ دیتا ہے وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

بے صبر آدمی میں استقامت نہیں ہوتی۔ وہ کسی کام کو جم کر نہیں کرتا اس لیے ترقی نہیں کر پاتا۔ آسانی کے لالچ میں تیزی دکھانا، صلہ پانے کے لیے جلدی کرنا، کسی فرض کو پورا کیے بغیر ادھورا چھوڑ دینا، یہ سب ایسی کمزوریاں ہیں جو آدمی کو اچھے نتائج سے محروم کرتی ہیں۔

صبر وہ کرتا ہے جس کا ایمان مضبوط ہو، جو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہو۔ سورۂ

ابراہیم میں ارشاد ہوا ہے :

"ان واقعات میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔" (آیت ۵)

اگرچہ یہ صفت پوری انسانیت کے لیے ہے، لیکن مسلمانوں کے لیے تو لازمی ہے، کیوں کہ اس کے بغیر نیکی حاصل نہیں ہو سکتی۔ (فروری ۱۹۹۷ء)

اخلاق کی اہمیت

زندگی میں کام یابی کے لیے کئی چیزیں ضروری ہیں۔ ان میں اخلاق سب سے اول ہے۔ شاید بعض لوگ اخلاق کو کام یابی کے لیے ضروری نہ سمجھیں۔ ان لوگوں کی سوچ کا انداز یہ ہے کہ اخلاق میں کم زور، بلکہ بد اخلاق لوگ بھی کام یابی کے زینے چڑھ جاتے ہیں اور بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اخلاق کے بغیر کام یابی ممکن نہیں۔ ظاہر میں یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، لیکن ذرا غور کیا جائے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگ اصل میں ناکام ہوتے ہیں۔ وہ اپنے کو کام یاب سمجھتے ہوں، مگر یا تو ان کی کام یابی عارضی ہوتی ہے یا ظاہری ہوتی ہے۔ اندرونی طور پر وہ پریشان رہتے ہیں۔ اصل میں کام یاب انسان اس کو کہتے ہیں جس کو سکون و اطمینان میسر ہو، جس کی لوگ عزت کرتے ہوں اور جو دوسروں کا محتاج نہ ہو۔ کام یابی کے لیے دولت ضروری نہیں ہے۔ دولت کے بغیر بھی انسان عزت اور اطمینان کی زندگی گزار سکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ زندہ رہنے کے لیے پیسہ بھی ضروری ہے، لیکن اتنا پیسہ کہ اس کو اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے دوسروں کا سہارا نہ لینا پڑے۔

جو لوگ دولت حاصل کرنے کے لیے غلط کام کرتے ہیں وہ اپنی نظر میں یا دنیا

کی نظر میں کتنے ہی کام یاب ہوں، اصل میں کام یاب نہیں ہوتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محنت اور صلاحیت سے کمائی ہوئی دولت انسان کو سکون اور آرام پہنچاتی ہے، لیکن اگر انسان دولت ہی کو مقصد بنا لے تو پھر وہ اس کے لیے اپنے سکون، اپنے اصول، اپنی عزت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اخلاق کے بغیر انسان صحیح معنی میں کام یاب نہیں کہلا سکتا۔ (اپریل ۱۹۸۶ء)

سب سے بھاری اور بلند چیز

زندگی میں سب سے اونچا مقام اخلاق کا ہے۔ اسلام نے زندگی میں اخلاق کو سب سے اہم جگہ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم اخلاق کہا ہے اور آپؐ کے بارے میں فرمایا ہے کہ "بے شک آپؐ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔" (ترجمہ آیت ۴۔ سورۂ القلم)

سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ہے :

"مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔"

ایک اور ارشاد ہے :

کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔"

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا :

"میزان (ترازو) میں جو چیز سب سے بھاری ہوگی وہ اخلاق ہیں۔"

یہ مسلمانوں کا اخلاق ہی تھا کہ انھوں نے تھوڑی سی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی عرب کے صحرا سے اٹھ کر دور دور تک علم کی روشنی پھیلا دی، تہذیب کی شمعیں جلا دیں، اخوت اور بھائی چارے کا ماحول عام کر دیا اور ایسا امن قائم کر دیا

کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

مگر آج؟ آج ہم بہت بڑی تعداد میں ہیں، ہماری تعداد ایک ارب کو پہنچنے والی ہے، لیکن کیا آج ہم راحت سے ہیں؟ کیا آج ہم اپنے مسلمان بھائی کے لیے اپنے دل میں محبت رکھتے ہیں؟ کیا آج ہم بے خوف ہو کر سو سکتے ہیں؟ اس کا جواب "نہیں" ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم نے ترازو کی سب سے وزنی چیز کو ہلکا کر دیا ہے۔ ہمارے اخلاق کا پلڑا بھاری نہیں رہا۔ ہم نے صرف اپنے آپ کو دیکھنا اور صرف اپنوں کو اچھا اور سچا سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ اگر آج ہم پھر محبت، انس، خلوص اور پیار کا راستہ اختیار کر لیں تو ہم پھر امن و راحت کی نعمت سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ (فروری ۱۹۹۰ء)

اخلاق کی کسوٹی

وہ کیا چیز تھی جس نے مسلمانوں کو عروج کی انتہا پر پہنچایا تھا اور مسلمان ساری دنیا میں عزت اور محبت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے؟ وہ اخلاق تھے۔ اسلام نے زندگی میں اخلاق کو سب سے بلند مقام دیا ہے۔ اخلاق ہی انسان کو انسان بناتے اور زندگی میں کام یابی عطا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد غور سے پڑھو:

"مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے: "کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔"

اخلاق کیا ہیں؟

کسی انسان سے اچھی زبان میں بات کرنا، کسی سے نرمی سے پیش آنا، کسی کی تکلیف میں شریک ہونا، کسی کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرنا، کسی کا دل نہ دکھانا، کسی کو ذلیل نہ کرنا، یہ سب اخلاق کے تقاضے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ رزق حلال حاصل کرنا بھی اسلامی اخلاق کا بہت بڑا تقاضا ہے۔ اگر تم لوگوں سے اچھی طرح پیش آتے ہو، انھیں اچھے الفاظ سے یاد کرتے ہو تو یہ بڑی اچھی بات ہے، لیکن اگر تمھارا رزق حلال نہیں ہے یعنی تم جو کچھ بھی کماتے ہو اس میں دیانت کا خیال نہیں رکھتے، اس میں جھوٹ شامل ہے، اس میں دھوکا شامل ہے، اس میں کام چوری شامل ہے، اس میں چوری شامل ہے، اس میں حد سے زیادہ نفع شامل ہے تو تمھارا رزق حلال نہیں اور تم اسلامی اخلاق کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ اس لیے دوسری چیزوں کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ ہمارا رزق بھی حلال ہو، ہماری آمدنی بھی جائز ہو، ہم کسی کا حق نہ مارتے ہوں۔

(مارچ ۱۹۹۸ء)

اخلاق کا مرتبہ

اسلام میں اخلاق کی جتنی اہمیت ہے اتنی دنیا کے کسی نظام میں نہیں ہے۔ اسلام نے زندگی میں اخلاق کو سب سے اونچا مقام دیا ہے۔ اخلاق سے خالی زندگی اسلامی زندگی نہیں ہو سکتی۔ جو شخص اخلاق سے محروم ہے وہ اچھا مسلمان نہیں ہے۔

قرآن حکیم کی سورۂ القلم کی آیت ۴ میں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ:

"بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر فائز ہو۔"

اس سے بھی اخلاق کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مسلمانوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں۔"

ایک اور ارشاد ہے : "ترازو میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز ہوگی وہ حسن اخلاق ہے۔"

اسی طرح یہ فرمان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی غور سے پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے :

"کسی انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اخلاق اچھے نہ ہوں۔"

جب تک مسلمانوں کے اخلاق اچھے تھے وہ دنیا میں بھی عزت والے تھے، ان کی زندگی بھی قابل رشک تھی اور انھوں نے ایسے عظیم کارنامے انجام دیے کہ دنیا آج تک مانتی ہے۔ علم اور سائنس میں بھی وہ سب سے آگے تھے، لیکن آج ہم دوسری قوموں سے پیچھے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم نے اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی عزت نہیں کرتے۔ بھائی سے بھائی محبت نہیں کرتا، بلکہ ایک بھائی دوسرے مسلمان بھائی کی جان کا دشمن ہے۔

نونہالو! تم آگے بڑھو اور اخلاق کے اس مرتبے پر پھر پہنچ جاؤ جس نے دنیا میں ہمیں اعلا مقام دیا تھا۔ (اکتوبر ۱۹۹۸ء)

قناعت بڑی نعمت ہے

دنیا میں جو نعمتیں انسان کو حاصل ہیں ان میں شاید سب سے بڑی نعمت قناعت ہے۔ جو کچھ بھی کسی کو حاصل ہے اگر وہ اس پر راضی ہو جائے تو اس کو

کوئی پریشانی نہ ہو۔ قناعت کا یہی مطلب ہے کہ آدمی لالچ نہ کرے۔ بات یہ ہے کہ دنیا میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو ہر سہولت اور راحت حاصل ہے۔ ان کے لیے بڑے مکان، عمدہ لباس، آرام دہ سواری، بڑھیا کھانے اور روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کو اس سے کم آسانیاں میسر ہیں، لیکن پھر بھی ان کو ضرورت کی چیزیں مل جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کو اتنی آسانیاں بھی حاصل نہیں ہیں۔ ان کو اپنی ضرورت کی چیزوں کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ بڑی مشکل سے زندگی کی گاڑی کھینچتے ہیں، لیکن اکثر صورتوں میں یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو سب سے زیادہ آسانیاں حاصل ہیں وہ سب سے زیادہ غیر مطمئن اور پریشان رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو دوسری سب نعمتیں تو ملی ہوئی ہیں، لیکن قناعت کی نعمت سے وہ محروم ہیں۔ گویا وہ نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اگر ان کو اتنی نعمتوں کے بجائے صرف قناعت کی نعمت میسر ہوتی تو وہ زیادہ خوش رہتے۔ خوش رہنے کا راز یہ ہے کہ جو کچھ اور جتنا کچھ حاصل ہے اس سے زیادہ کا لالچ نہ کیا جائے، بلکہ ان لوگوں کو دیکھا جائے جن کو اتنا بھی میسر نہیں ہے۔ لالچ سے قناعت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ بے شک کوشش کرنا اور آگے بڑھنے کے لیے محنت کرنا اچھی بات ہے اور کوشش ضرور کرنی چاہیے، لیکن محنت کے بغیر کڑھنا اور جلنا اچھا نہیں۔ پہلے آدمی کوشش کرے، پھر خواہش کرے۔ اگر اس کی نظر میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کو محنت اور اہلیت کے بغیر سہولتیں اور راحتیں میسر ہیں، تب بھی اس کو جلنے کے بجائے محنت اور کوشش سے اپنے آپ کو زیادہ اہل اور قابل بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ محنتی اور ماہر آدمی اپنی زندگی بھی اچھی بنا سکتا ہے اور پاکستان کی بھی سچی خدمت کر سکتا ہے اور پاکستان میں دیر سویر ایسے ہی آدمیوں کا بول بالا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

(مارچ ۱۹۸۵ء)

پریشانیوں کا علاج

لالچ نے انسان کو پریشان کر رکھا ہے۔ ہر آدمی اس فکر میں مبتلا ہے کہ اس کو دولت مل جائے' اس کو ہر سہولت میسر ہو' ہر آرام مہیّا ہو۔ اس فکر میں وہ اس قدر پریشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس کو میسر ہیں ان سے بھی وہ لطف اندوز نہیں ہوتا۔ بعض وقت تو ایسا لگتا ہے کہ قناعت دنیا سے اڑ گئی ہے۔

قناعت بجائے خود ایک نعمت ہے' کیوں کہ قانع (قناعت کرنے والا) کی زندگی بڑے سکون سے گزرتی ہے۔ اس کو جو کچھ میسر ہے وہ اسی میں خوش رہتا ہے اور آرام سے زندگی گزارتا ہے۔ لالچ سے بچنے' تھوڑے پر راضی ہونے اور زیادہ نہ چاہنے کو قناعت کہتے ہیں۔ جو آدمی قناعت کو اپنا طریقہ بنا لیتا ہے' حرص سے بچنے کی عادت ڈال لیتا ہے وہ دولت مند ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ جس کے پاس جتنی دولت ہے وہ اتنا ہی پریشان ہے۔ وہ دولت کس کام کی جو آدمی کو پریشان کرے' جو سکون چھین لے۔

قناعت ہمارے بزرگوں کا طریقہ تھی' اسی لیے وہ بڑے اطمینان سے رہتے تھے۔ سادگی سے زندگی گزارتے تھے۔ لالچ کر کے اپنا سکون غارت نہیں کرتے تھے۔ ان کا کردار بلند اور اخلاق اعلا تھا۔ وہ دوسروں کو دیکھ کر اپنا طریقہ نہیں بدلتے تھے' بلکہ دوسرے ان کی پیروی کرتے تھے۔ ہم بھی اگر سادہ زندگی اور قناعت کو اپنا لیں تو ہماری اکثر پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ (اگست ۱۹۸۸ء)

سادگی میں حُسن ہے

آج انسان کو نمائش کا بڑا چسکا لگ گیا ہے۔ ہر چیز میں نمائش نے ہماری

زندگی مصیبت کر رکھی ہے۔ کپڑے ہوں تو بھڑکیلے، گھر ہو تو بڑا، فرنیچر ہو تو چمکیلا، غرض ہمارا جتنا بس چلتا ہے ہم اتنی ہی نمائش کرتے ہیں، لیکن ذرا سا غور کرو تو سادگی میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ سادہ چیز کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ سادگی ہی میں سلیقے کا اظہار ہوتا ہے۔ معمولی چیز سلیقے سے خوب صورت معلوم ہونے لگتی ہے۔ سادگی میں خرچ بھی کم ہوتا ہے۔ کم خرچ کی وجہ سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ خرچ کم ہو تو آدمی کو زیادہ پیسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زیادہ پیسے کے لیے آدمی کو بہت سے غلط کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ غلط کام کرکے آدمی خوش نہیں رہ سکتا۔ اس طرح جو پیسہ آتا ہے وہ سکون اور خوشی نہیں دیتا، بلکہ پریشانی اور بڑھاتا ہے۔ پریشانی کے علاوہ شرمندگی بھی ہوتی ہے۔ نمائش اور فضول خرچی سے انسان اپنا ذہنی سکون کھو دیتا ہے۔

جب سے ہم نے سادگی چھوڑی ہے ہماری زندگی مشکلات سے گھر گئی ہے۔ ہم اخلاقی لحاظ سے کم زور ہوگئے ہیں۔ نمائش کا مطلب کیا ہے؟ نمائش کا مطلب ہے دو رنگی یعنی اصل میں کچھ ہو اور دکھایا کچھ اور جائے۔ گویا حقیقت کو چھپانے اور لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا نام نمائش ہے۔ اس کے برعکس سادگی تو سادگی ہی ہے۔ جو اصل ہے وہی نظر آتا ہے، جو حقیقت ہے وہی دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت میں بڑی کشش ہے۔ سادگی میں بڑا حسن ہے۔

سادگی کو اپناؤ، اپنا حسن بڑھاؤ۔

(جولائی ۱۹۸۵ء)

سنّتِ رسولؐ بھی، راحت بھی

سادگی بڑی اچھی چیز ہے۔ سادہ زندگی میں بڑی راحت ہے۔ سادہ رہنے والے

کبھی پریشان نہیں ہوتے۔ سادہ آدمی کی ضروریات بہت کم ہوتی ہیں، اس لیے ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس آدمی کو زیادہ پریشانی نہیں ہوتی۔ نہ ایسے آدمی کو اپنی مرضی کے خلاف کام کرنے پڑتے ہیں، نہ کسی کے آگے جھکنا پڑتا ہے اور نہ اس کو کسی سے شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ عام طور پر لوگ اپنی بڑھی ہوئی ضرورتیں پوری کرنے اور نمائش کرنے کے لیے زیادہ روپیہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ زیادہ روپے کے لیے ان کو بعض وقت غلط کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ لوگوں کی خوشامد کرنی پڑتی ہے اور وہ اپنے ضمیر کے خلاف بھی عمل کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے سادگی میں بڑی آسانی ہے۔ کم ضرورتیں ہوتی ہیں تو وہ آسانی سے اور حلال آمدنی ہی سے پوری ہو جاتی ہیں۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ آپؐ نے کبھی قیمتی اور ریشمی کپڑے نہیں پہنے۔ آپؐ موٹے اور کھُردُرے کپڑے پسند کرتے تھے۔ کبھی ایک جوڑے سے زیادہ نہیں رکھا اور وہ بھی اکثر پیوند لگا ہوا ہوتا تھا۔ حضورؐ چاہتے تو ساری دنیا سے اچھا لباس پہن سکتے تھے، لیکن آپؐ نے لباس ہی سادہ نہیں پہنا، بلکہ آپؐ اپنی زندگی کے ہر کام میں سادگی کا نمونہ بنے۔ کھانا بھی سادہ اور گھر بھی معمولی۔

اگر ہم بھی اپنی زندگی کو سادہ بنائیں تو ایک طرف تو اپنے پیارے نبیؐ کی سنت پر عمل کریں گے اور دوسری طرف خود ہماری زندگی بہت آسان اور آرام دہ ہو جائے گی۔ (مارچ ۱۹۸۹ء)

رزقِ حلال اور مستحق لوگ

انسان علم حاصل کرنے یا کوئی ہنر سیکھنے کے بعد روزی پیدا کرنے کے لیے

کماتا ہے۔ اس کے لیے نوکری کرتا ہے یا کوئی کاروبار شروع کرتا ہے۔ محنت سے کمانا اور اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پوری کرنا بڑی خوبی کی بات ہے۔ رزق حلال میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں سے خوش رہتا ہے جو محنت اور دیانت سے اپنی روزی پیدا کرتے ہیں اور عزت سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بندوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا جو دولت پیدا کرنے کے لیے چوری، کام چوری، رشوت، ملاوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں۔ اس طرح جو دولت کمائی جاتی ہے اس سے چاہے وقتی طور پر کتنی ہی خوشی ہو، کتنی ہی خوش حالی دکھائی دے، گھر کتنا ہی حسین نظر آئے، چیزوں سے گھر بھرا ہوا ہو، لیکن اس گھر پر اللہ کی رحمت نہیں ہوتی۔ اس آدمی کو کبھی سکون نہیں ملتا۔ اس کی عزت ہوتی بھی ہے تو عارضی۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ محنت سے، ایمان داری سے کماتے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی غریب نظر آئیں، لیکن ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں، وہ چین کی نیند سوتے ہیں، وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔

ایک بات اور -- اپنی آمدنی ساری کی ساری اپنے اور اپنے خاندان پر خرچ نہ کرو۔ اس میں قوم کے دوسرے لوگوں کا، اللہ کی مخلوق کا بھی حصہ ہے۔ اگر تمھارے عزیز اور قریب کے لوگ ضرورت مند ہیں تو اپنی آمدنی میں سے ان کو دو۔ سب سے پہلے تمھاری مدد اور تعاون کے وہ مستحق ہیں۔ اس کے بعد جن لوگوں کے بارے میں تمھیں معلوم ہو کہ وہ پریشان ہیں، ان کی خدمت کرو۔ اس سے تمھاری آمدنی میں برکت ہوگی۔ ہم اپنی خواہش تو پوری کرنے کی کوشش کرتے ہی ہیں، لیکن دوسروں کی کوئی زیادہ اہم ضرورت معلوم ہو تو اس کو پورا کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کرو اور خود اپنے دل کو بھی۔ کوئی آدمی اچھا کام کر رہا ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اگر ہاتھ پیر سے کام آسکتے ہو یا اپنا کچھ وقت دے سکتے ہو تو کیا کہنے، ورنہ کم سے کم اپنے مال میں سے ہی کچھ حصہ دے کر اس میں

شریک ہو جاؤ۔ (مارچ ۱۹۹۰ء)

جائز آمدنی اور پاک چیزیں

انسان زندہ رہنے کے لیے کام کرتا ہے اور اس کام کے بدلے میں اس کو پیسے ملتے ہیں۔ اس کو کمانا کہتے ہیں۔ اس کمائی سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ ضرورتیں پوری ہونے کے علاوہ کمائی سے انسان کو خوشی اور اعتماد بھی حاصل ہوتا ہے' لیکن سچی خوشی حاصل ہونے کی ایک شرط ہے اور وہ ہے حلال کمائی۔ حلال کمائی سے جو رزق اس کو میسر آتا ہے وہ سکون اور راحت کا ذریعہ بنتا ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حلال اور پاک چیزیں کھاؤ :

و کلوا مما رزقکم اللّٰہ حلٰلاً طیباً (آیت ۸۸)

اگر ہم ذرا سا بھی غور کریں تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ حلال اور پاک چیزیں کھانے سے انسان کو جو اطمینان' خوشی اور صحت ملتی ہے وہ ناجائز چیزیں کھانے سے ہرگز نہیں مل سکتی۔ پاک چیزوں کا مطلب صرف یہ نہیں کہ جو چیز ہم کھائیں وہ اپنی جگہ پاک ہو' بلکہ پاک چیزیں وہ ہیں جو پاک اور جائز کمائی سے حاصل کی گئی ہوں۔ فرض کرو تم پلاؤ کھا رہے ہو۔ وہ پلاؤ اپنی جگہ صاف ستھرا اور پاک ہے' لیکن جس پیسے سے وہ پلاؤ تیار کیا گیا یا خریدا گیا ہے اگر وہ جائز نہیں ہے تو اس پلاؤ کو بھی حلال اور پاک نہیں کہا جا سکتا۔

کھانے پینے کی چیزوں پر ہی موقوف نہیں ہے' پہننے اور برتنے کی چیزیں بھی اسی وقت حلال اور جائز ہوتی ہیں جب ان کو جائز کمائی سے خریدا گیا ہو۔ بہت سے انسان لالچ میں آکر جائز اور ناجائز کا فرق بھول جاتے ہیں۔ اور محنت اور

دیانت سے کمانے کے بجائے ناجائز طریقوں سے پیسہ حاصل کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً اگر وہ سرکاری ملازم ہیں تو رشوت لے کر اپنی آمدنی بڑھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کہ ہمیں خوشی اور آسانی مل رہی ہے اور ہم کام یاب ہیں، لیکن اصل میں وہ اپنے لیے پریشانی کا سامان کر رہے ہیں۔ رشوت کھانے والے نہ دنیا میں عزت کے مستحق ہیں اور نہ آخرت میں نجات کے۔ نونہالو! نہ کبھی رشوت لینا اور نہ رشوت لینے والوں کو دوست بنانا۔ تم بڑے ہو کر اپنی محنت سے کمانا اور جائز آمدنی میں خوش رہنا، چاہے وہ کتنی ہی کم ہو۔ (مئی ۱۹۹۲ء)

عقل مندی یہ ہے

ایک انسان کے عمل کا دوسرے انسانوں پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ کہاوت ہے کہ "خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی کو دیکھ کر آدمی ڈھنگ بدلتا ہے۔ صحبت کا اثر بہت ہوتا ہے۔ اچھی صحبت سے آدمی اچھے طور طریقے اختیار کرتا ہے اور بری صحبت میں بیٹھنے والا خود بھی بری عادتیں اختیار کرلیتا ہے۔ اسی لیے اچھے آدمی بری صحبت سے بچتے ہیں اور اگر ان کو برے آدمیوں سے واسطہ پڑ ہی جائے تو وہ ان جیسے بننے کے بجائے ان کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن کم زور طبیعت کے آدمی خراب آدمیوں کی باتوں اور ان کے کاموں سے متاثر ہو جاتے ہیں اور خود بھی ان کے نمونے پر چلنے لگتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی تو ایسا کرتا ہے۔ ہم بھی اس کا طریقہ کیوں نہ اختیار کریں، لیکن یہ عقل مندی نہیں ہے۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ ہم خود بھی اچھے عمل کریں اور دوسروں کو بھی اچھے کام کرنے کی ترغیب دیں۔ دھوکا دینا

بہت بری بات ہے۔ اگر کوئی آدمی دھوکے باز ہے تو ہمیں اس کی مثال پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگر اس نے ہمیں دھوکا دیا اور اس کے جواب میں ہم بھی دھوکا دینے لگیں تو ہم بھی اس جیسے ہی ہو گئے یعنی ہم نے بھی دھوکے بازی اختیار کرلی۔ پھر اس میں اور ہم میں فرق ہی کیا رہا۔ بے شک ہمیں اس کے دھوکے سے بچنا چاہیے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم آئندہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں' لیکن خود کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیے' ورنہ کچھ دن میں ہم بھی دھوکے باز مشہور ہو جائیں گے۔

اچھے لوگوں کے راستے پر چلنے سے اچھا نتیجہ نکلے گا' اچھا نمونہ قائم ہوگا۔ دوسرے لوگ بھی اچھائی اور نیکی کی طرف مائل ہوں گے اور آہستہ آہستہ اچھے لوگوں کی اکثریت ہو جائے گی۔ (نومبر ۱۹۸۵ء)

اچھے لوگوں کی صحبت

انسان جن لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے' جن سے زیادہ ملتا ہے اور جن کے ساتھ اس کا زیادہ وقت گزرتا ہے' ان کے خیالات اور ان کی عادتوں کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ اگر ان کے خیالات بھی اچھے ہوں گے تو اس شخص کے خیالات بھی اچھے ہوں گے' اگر وہ اچھے کام کرتے ہوں گے تو وہ شخص بھی برے کام نہیں کرے گا۔

دوستی بڑی اچھی چیز ہے۔ دوستوں کا ہونا بڑی نعمت ہے۔ دوستوں کے ساتھ جو وقت گزرتا ہے اس میں بڑا لطف آتا ہے۔ دوست وقت پر کام بھی آتے ہیں' اسی لیے دوست ضرور بنانا چاہیے' لیکن دوست ایسے لوگوں کو بنانا چاہیے جو دوستی کے قابل ہوں۔ دوستی کے قابل وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے خیالات اچھے ہوں'

جو اچھی باتیں کرتے ہوں، جو پڑھنے لکھنے میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تمھارے ساتھ مخلص ہوں۔ جب وہ مخلص ہوں گے تو تم بھی ان کے ساتھ خلوص برتو گے۔

اچھے دوستوں کے ساتھ ملنے جلنے سے انسان خود بھی اچھائی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کی زندگی بھی نیک کاموں اور بھلائی کی باتوں میں گزرنے لگتی ہے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے :

"اے اللہ! مجھے نیک لوگوں کی صحبت عطا فرما۔"

تم بھی دعا کیا کرو اور کوشش کیا کرو کہ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو اور اچھے لوگوں کو دوست بناؤ۔ (نومبر ۱۹۹۳ء)

اچھا دوست بڑی نعمت ہے

نیکی کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ایک قسم یہ بھی ہے کہ آدمی نیک آدمیوں سے محبت کرے۔ نیک لوگوں سے محبت کرنے سے خود نیکی سے محبت پیدا ہوتی ہے اور نیک لوگوں میں شامل ہونے اور انھی جیسی باتیں اور عمل کرنے کو دل چاہتا ہے۔

ایک صاحب نبی اکرم ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور پوچھنے لگے :

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی کی بنا پر محبت کرتا ہے، مگر خود اس نیک شخص جیسے اچھے کام نہیں کرتا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"کوئی بات نہیں، وہ قیامت کے دن اسی آدمی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ

محبت کرے گا۔"

لوگوں سے اچھی طرح ملنا، ان کا نام عزت سے لینا، مسکرا کر بات کرنا، ان کی بات کا نرمی سے جواب دینا، ہو سکے تو ان کے کام کر دینا، یہ سب نیکیاں ہیں۔

آدمی جس قسم کے لوگوں میں بیٹھتا اٹھتا ہے اسی قسم کی عادتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اچھے لوگوں کے ساتھ ملے گا تو وہ خود بھی اچھا ہو جائے گا، اسی لیے اچھے لوگوں کو دوست بنانا چاہیے۔ اچھا دوست بڑی نعمت ہے۔

دوست بناتے وقت اس کی دوسری خوبیوں کے علاوہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے کا شوق اور ارادہ رکھتا ہے یا نہیں؟ اگر اس میں اس شوق کی کمی ہے تو تم اس میں پیدا کرو۔ اس طرح تمھارا شوق بھی بڑھے گا اور نیکی کرنے میں دونوں کو آسانی ہوگی۔

(مئی ۱۹۹۴ء)

درمیانی راستہ

ہر کام میں درمیانی راستہ یا اعتدال ضروری ہے۔ کسی اچھے سے اچھے کام میں بھی انتہا کی طرف جانا خود اس کام کے لیے بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو امّت وسط کہا ہے یعنی درمیان کا راستہ اور اعتدال کا طریقہ مسلمانوں کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ خرچ کرنے میں بھی اعتدال کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ نہ اتنا کم خرچ کرے کہ اللہ کی نعمتوں سے ہی اپنے کو محروم کرلے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا دیا ہے اس کے لحاظ سے اپنے پر بھی خرچ کرے اور اپنے متعلقین پر بھی۔ نہ اتنا زیادہ خرچ کرے کہ پھر خود محتاج ہو جائے۔ نہ کنجوسی کرے اور نہ فضول خرچی۔ کفایت سے کام لینا چاہیے۔ کفایت کا مطلب یہی ہے کہ اتنا خرچ

کرے جتنا کافی ہو۔

قرآن حکیم کی سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

"نہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھ رکھ نہ اس کو بالکل ہی کھول دے کہ بعد میں حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہ جائے۔" (ترجمہ آیت ۲۹)

خرچ کرتے وقت سب سے پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ کیا یہ خرچ ضروری ہے اور جو چیز ہم خریدنا چاہتے ہیں اگر وہ نہ خریدیں تو کیا حرج ہوگا اور اس کے بغیر بھی کام چل جائے گا یا نہیں۔ اگر ہر خریداری کے وقت ہر آدمی اسی طرح سوچنے کی عادت ڈال لے تو میرے خیال میں کافی پیسہ بچ سکتا ہے۔ بعض لوگ نمائشی چیزوں پر بہت پیسہ برباد کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جن سے سوائے نام و نمائش کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ تو اور بھی نقصان دہ بات ہے۔ ہمیں ضروری کاموں اور چیزوں پر ہی خرچ کرنا چاہیے۔ اس طرح جو پیسہ بچے گا وہ کل ہمارے بھی کام آئے گا اور قوم و ملک کے بھی۔ ہمارا ملک دوسرے ملکوں کا قرض دار ہے۔ اگر ہم محنت سے کام لیں اور کفایت سے خرچ کریں تو نہ صرف قوم کا قرض ادا کر سکتے ہیں، بلکہ دوسروں کو قرض دے سکتے ہیں۔ (فروری ۱۹۸۹ء)

یہ تعریف کی بات نہیں

فضول خرچی کسی کو بھی پسند نہیں۔ اگر کسی شخص کو فضول خرچ کہا جائے تو سمجھو کہ اس کی تعریف نہیں ہو رہی ہے، برائی ہو رہی ہے۔ لوگوں کو پسند ہو یا نہ ہو، فضول خرچ آدمی خود اپنے لیے بھی اچھا نہیں ہوتا۔ جب اس کے پاس پیسہ ہوتا ہے تو وہ ضرورت، بے ضرورت چیزیں خرید کر اڑا دیتا ہے۔ جب پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو پریشان ہوتا ہے۔

انسان کو خرچ ضرور کرنا چاہیے۔ پیسہ ہوتا ہی اس لیے ہے کہ آدمی اس سے فائدہ اٹھائے، اپنے آرام اور ضرورت کی چیزیں خریدے، لیکن ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اچھا نہیں ہے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ پیسہ بچا کر نہیں رکھ سکتے۔ ان کی جیب سے جب تک پیسہ نکل کر دوسروں کی جیب تک نہ پہنچ جائے، ان کو سکون نہیں ملتا۔ یہ عادت اچھی نہیں ہے۔

تمھارے پاس جو کچھ ہو اس کو ضروری چیزیں خریدنے پر خرچ کرو۔ باقی پیسے بچا کر رکھو۔ بچت کی عادت بڑی اچھی عادت ہے۔ جمع کیا ہوا پیسہ وقت پر کام آتا ہے۔ تمھارے کام بھی آتا ہے اور تمھارے عزیزوں اور دوستوں میں سے کسی کو ضرورت پڑے تو ان کے بھی کام آسکتا ہے۔

درمیان کا راستہ سب سے اچھا راستہ ہے۔ جس طرح فضول خرچی اچھی چیز نہیں، اسی طرح کنجوسی کی عادت بھی اچھی نہیں ہے۔ دونوں کے درمیان رہنا چاہیے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کرو اور ضرور کرو۔ ضرورت سے زیادہ ہرگز خرچ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ بھی فضول خرچی (اسراف) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہمارے پیارے ملک کو بھی پیسے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی خاطر بھی فضول خرچی سے پرہیز کرنا چاہیے۔ (جنوری ۱۹۹۲ء)

کامیابی کا راز

مجھے بچوں سے محبت ہے۔ بچے بھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے مل کر خوشی ہوتی ہے۔ شاید بزرگوں کی بات ہمارے معاملے میں بھی صحیح ہو کہ بچہ اور بوڑھا برابر ہوتا ہے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ بچے میرے متعلق جاننا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس وقت میں

جو کچھ بھی ہوں اس کے متعلق پوچھتے ہیں کہ میں کس طرح اس منزل تک پہنچا۔

بات صرف اتنی ہے کہ میں نے شروع ہی سے اپنے کو محنت کا عادی بنایا اور آرام و راحت کو پاس نہیں آنے دیا۔ مایوسی بھی مجھ پر کبھی غالب نہیں آئی' اس لیے جدو جہد کی رفتار کو کبھی سُست نہیں ہونے دیا۔ اس عادت کے بنانے میں میری تربیت کا بڑا دخل ہے۔ میری آپا (والدہ محترمہ مرحومہ) اور بھائی جان (محترم جناب حکیم عبد الحمید صاحب) نے مجھے یہی سبق پڑھایا اور خود ان کا نمونہ بھی میرے سامنے تھا۔ محنت ہی سے میں نے علم حاصل کیا اور محنت ہی سے میں طب کے فن میں آگے بڑھا۔ مسلسل محنت نے ہر پتھر کو میرے راستے سے ہٹا دیا۔

محنت کے ساتھ خدمت کرنے کے جذبے نے بھی مجھے قوت بخشی اور میرے کردار کو ڈھالا۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے عمل کی صلاحیت بخشی اور مجھے انسانوں کی خدمت کا اہل بنایا۔ اس کے علاوہ میری کام یابی کا اور کوئی راز نہیں ہے۔ میری تمنا ہے کہ میرے وطن کا ہر نونہال اس راز کو سمجھ لے۔ (جنوری ۱۹۸۵ء)

خواہش کے ساتھ عمل بھی

ہر شخص اپنی بھلائی کے لیے سوچتا ہے۔ دنیا میں ایسا کون انسان ہے جو اپنی بہتری اور ترقی نہ چاہتا ہو۔ اسی کو خواہش کہتے ہیں۔ ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ آگے بڑھے' اس کو سکون اور سہولتیں حاصل ہوں' لیکن پھر بھی ہر انسان یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ صرف خواہش رکھتے ہیں' عمل نہیں کرتے۔ بعض لوگ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے عمل اور کوشش بھی کرتے ہیں اور یہی لوگ صحیح ہیں۔

خواہش اگر اچھی ہو اور سچی ہو تو پوری ہو جاتی ہے۔ سچی خواہش سے مراد یہ ہے کہ انسان کسی کام کو دل سے کرنا چاہے۔ جو کام انسان دل سے کرنا چاہتا ہے اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔ خواہش عمل اور جدو جہد کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ تم میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہو' لیکن اچھے نمبروں سے صرف وہی نونہال کام یاب ہوتے ہیں جو دل لگا کر پڑھتے ہیں اور سبق یاد کرتے ہیں۔ جو نونہال پڑھنے میں محنت نہیں کرتے وہ امتحان میں کام یاب نہیں ہوتے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ محض خواہش سے کام نہیں چلتا۔ اگر صرف خواہش سے کام یابی ہو جاتی تو اب تک نہ جانے کتنے افیونی بادشاہ بن چکے ہوتے۔ بہ قول شیکسپیئر اگر صرف خواہش ہی گھوڑا بن سکتی تو ہر شخص گھڑ سوار ہوتا۔

جس چیز کی خواہش ہو اس کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرو۔ عمل کے بغیر خواہش خوشی نہیں' رنج دیتی ہے۔ (جولائی ۱۹۸۶ء)

جدو جہد کا صحیح طریقہ

کسی کا قول ہے کہ جدو جہد کے بغیر فلاح و بہبود کا نام لینا حماقت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلی چیز کوشش ہے۔ کوشش ہی سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے۔ محنت اور جدوجہد کے بغیر زندگی گزارنا ہی مشکل ہوتا ہے تو فلاح و بہبود کا کیا سوال۔

بعض لوگ بیٹھے بیٹھے صرف سوچتے رہتے ہیں کہ ہمیں یہ ملنا چاہیے' وہ ملنا چاہیے۔ ہم اس انعام کے حق دار ہیں' ہم اس معاوضے کے مستحق ہیں۔ خود کوشش نہیں کرتے۔ ان کا سارا وقت اسی خیالی پلاؤ میں صرف ہو جاتا ہے۔ ظاہر

ہے کہ ہوائی قلعے بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ حاصل ہوتا ہے تو وہ نقصان ہے، کیوں کہ بیٹھے بیٹھے سوچنے سے ذہن پریشان ہو جاتا ہے اور عمل کی قوت گھٹ جاتی ہے۔

صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان جو کچھ سوچے اس کے مطابق عمل کرے، کوشش کرے۔ یہ خیال بھی رکھے کہ وہ جو کچھ حاصل کرنا چاہ رہا ہے وہ اس کا اہل اور مستحق بھی ہے کہ نہیں۔ خود کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچ سکے تو اپنے کسی مخلص عزیز اور سچے دوست سے مشورہ کرلے۔ جب دوستوں سے مشورہ کرکے کوئی فیصلہ کر لے تو پھر اس پر پوری طرح ثابت قدمی سے عمل کرے۔ عمل اور کوشش کا نتیجہ ضرور نکلتا ہے، چاہے دیر میں نکلے۔ (دسمبر ۱۹۸۷ء)

محنت کا ہر کام قابلِ فخر ہے

دنیا کا کوئی کام، کوئی پیشہ، کمانے کا کوئی طریقہ برا نہیں۔ رزق حاصل کرنے کے لیے کسی کام سے بھی شرمانا نہیں چاہیے۔ صرف برے اور ناجائز کاموں سے شرمانا چاہیے۔ کسی کو دھوکا دے کر پیسے لینا، کوئی خراب چیز بیچنا، چوری کرنا، لڑجھگڑ کر زبردستی کوئی چیز ہتھیانا، یہ ایسی باتیں ہیں جن سے آدمی کو شرم آنی چاہیے، لیکن رزق حلال کے لیے آدمی کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی کرے تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ فخر کی بات ہے۔

دنیا کی تاریخ پڑھو۔ جتنے بھی بڑے بڑے لوگ ہوئے ہیں انھوں نے بچپن ہی سے محنت کی۔ جو لوگ غریب گھرانوں میں پیدا ہوئے انھوں نے زندہ رہنے اور اعلا تعلیم کا خرچ نکالنے کے لیے معمولی معمولی کام کیے اور رات دن محنت کرکے علم اور کمال حاصل کیا۔

سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ سب سے بڑے انسان اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق حلال کے لیے ہر کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ خود آپؐ نے اپنی ابتدائی زندگی میں تجارت کی' بکریاں تک چرائیں اور آپؐ بعد میں اس کا ذکر بڑے فخر سے فرمایا کرتے تھے۔

یاد رکھو! آدمی چھوٹے سے ہی بڑا ہوتا ہے۔ پہلے چھوٹی جماعت میں داخل ہوتا ہے پھر بڑی جماعتوں میں آتا ہے' پھر اور آگے بڑھتا ہے اور اعلا تعلیم حاصل کرتا ہے اور عزت اور دولت دونوں حاصل کرتا ہے۔ اعلا تعلیم حاصل ہو جانے کے باوجود اس کو شروع میں مشکلات پیش آتی ہیں اور وہ معمولی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کرتا ہے' پھر اپنی صلاحیت' محنت اور دیانت سے بڑے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ محنت ہی انسان کو بلندی پر پہنچاتی ہے۔ (دسمبر ۱۹۹۲ء)

محنت' عزّت' دولت

محنت کرنے سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ محنت کسی بھی قسم کی ہو' فائدہ پہنچاتی ہے۔ محنتی آدمی بہت جلد کام یاب ہو کر عزت کا مستحق بن جاتا ہے۔ ایک مزدور جو دن بھر محنت کر کے اپنی روزی کماتا ہے' اس پیسے والے آدمی سے کہیں بہتر ہے جو دن بھر بے کار رہتا ہو اور کاہلی میں اپنا وقت گزارتا ہو۔ جو طالب علم اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے محنت مزدوری کر کے اپنے تعلیمی مصارف پورے کرتا ہے' وہ ان طالب علموں سے بھی زیادہ قابل قدر ہے جن کے والدین ان کی تعلیم کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ دولت نہ ہو تو آدمی غریب نہیں ہوتا' وہ محنت سے دولت حاصل کر سکتا ہے' لیکن محنت کی عادت نہ ہو تو امیر آدمی بھی اپنی دولت کھو کر غریب ہو جائے گا اور دوبارہ اس کو دولت میسر نہیں آئے گی۔

جو لوگ محنت نہیں کرتے' وہ محنتی آدمی کی عزت بھی نہیں کرتے۔ محنت کی عادت ڈالو' محنتی آدمی کی عزت کرو۔

(مئی ۱۹۹۸ء)

صفائی نصف ایمان ہے

خود صاف ستھرا رہنا اور اپنے آس پاس کے ماحول کو صاف رکھنا نہ صرف اپنے لیے بہتر ہے' بلکہ پورے معاشرے' پوری دنیا کے لیے بہتر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"صفائی نصف ایمان ہے۔"

ویسے بھی انسان کسی محفل میں جائے یا مجلس میں' دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہو یا عزیز رشتے داروں کے یا اپنے گھر میں ہو' اسے صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ آج دنیا میں آلودگی کی وبا پھیلی ہوئی ہے۔ ہوا' پانی سب آلودہ ہو چکا ہے۔ موسموں میں عجیب و غریب تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ کھانوں کے ذائقے بدل چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت "پانی" جسے پی کر دل کو فرحت اور تسکین ملتی تھی' اب بے ذائقہ ہو چکا ہے۔ اس پر مستزاد انسانوں کے ذہنوں اور دلوں میں پھیلی ہوئی آلودگی بھی ہے جو اور بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے دل و دماغ کی صفائی کی جائے۔ انھیں آلودگی سے پاک کیا جائے۔ اس کے بعد اپنے گھر' محلے' شہر اور ملک کو صاف کیا جائے۔ اگر ہر شخص اسے اپنی اہم ذمے داری سمجھ کر پورا کرے گا تو دنیا اس سنگین مسئلے سے خود بخود نکل آئے گی۔

دل و دماغ کے ساتھ ساتھ ماحول بھی صاف ہو تو یہ دنیا جنت بن جائے۔

خود بھی صاف ستھرے رہو اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو بھی صاف ستھرا

رہنے کی تلقین کرو۔ اس پیغام کو گھر گھر پہنچاؤ۔ لوگوں کو بتاؤ کہ ہم آلودگی کے کس خطرے میں پھنس گئے ہیں اور اس سے نکلنے کی صورت کیا ہے! زندہ قومیں سر پر منڈلانے والے خطرے کو دیکھ کر چوکنی ہو جاتی ہیں اور اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہیں۔ (جنوری ۱۹۹۴ء)

مہذّب لوگوں کا محلّہ

صحت مند رہنے کے لیے صفائی ضروری ہے۔ گندگی اور صحت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ گندگی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ گندا ماحول انسان کو بیمار ڈال دیتا ہے' اس لیے سمجھ دار لوگ صفائی پسند ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے آپ کو' اپنے جسم کو' اپنے کپڑوں کو اور اپنے گھر کو صاف رکھتے ہیں' بلکہ اپنے محلّے اور بستی کو بھی صاف ستھرا رکھنا چاہتے ہیں۔

محلّے اور بستی کو صاف ستھرا رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اپنی ذات کو یا اپنے گھر کو' کیوں کہ جب محلّہ صاف نہیں ہوگا اور آپ کی گلی میں کوڑا کچرا پھیلا ہوگا' آپ کا پڑوس گندا ہوگا تو اس کا اثر آپ پر اور آپ کے گھر پر بھی پڑے گا۔ اگر کسی کچرے کے ڈھیر پر گلاب کے چند پھول پڑے ہوں تو وہ کس کام کے!

ہم مسلمان ہیں' ہم پاکستانی ہیں۔ ہم مہذب ہیں۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ صفائی ہمارا آدھا ایمان ہے۔ ہم پاک وطن کے رہنے والے ہیں۔ پاکیزگی ہماری زندگی ہے۔ ہماری تہذیب میں صفائی داخل ہے' پھر ہمارے محلّے' ہماری سڑکیں' ہماری بستیاں کیوں گندی ہیں؟ ذرا سوچیں!

آج سے فیصلہ کرلیں کہ نہ خود گندگی پھیلائیں گے اور نہ کسی دوسرے کو گندگی پھیلانے دیں گے۔ اگر کوئی شخص کاغذ یا شاپنگ بیگ یا کوئی اور کچرا اپنے

گھر کے باہر پھینکے تو اس کو سمجھائیں اور اس کے سامنے خود وہ کوڑا اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دیں۔ اس طرح اس کو بھی سبق ملے گا اور آہستہ آہستہ سارا محلہ صاف ستھرا ہو جائے گا اور لوگ کہیں گے کہ اس محلّے میں مہذب لوگ رہتے ہیں۔ (ستمبر ۱۹۹۴ء)

مایوسی کفر ہے

بعض لوگ بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اکثر عمل میں بھی کم زور ہوتے ہیں۔ مایوسی ان کی عملی قوت کو کم زور کر دیتی ہے اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مایوسی انسان کو عمل سے دور کرتی ہے اور بے عملی سے مایوسی مزید بڑھتی ہے۔ جب بے عملی کا نتیجہ مایوس انسان کے سامنے آتا ہے یعنی اس کو ناکامی سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اور بددل ہوتا ہے۔ یہ ایک چکر بن جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں آدمی کو نقصان پر نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

سب سے پہلی چیز تو یہ سمجھنی چاہیے کہ مایوسی کوئی خوبی نہیں ہے' یہ ایک کم زوری ہے' برائی ہے اور مسلمان کے لیے تو مایوس ہونا اس کی شان کے خلاف بھی ہے۔ مایوسی کو کفر قرار دیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں صاف فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ مایوسی دل کا سکون چھین لیتی ہے اور جب آدمی کا سکون ختم ہو جائے تو اس کے لیے کام کرنا اور کوشش کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ چاہے کیسے ہی خراب حالات ہوں' کتنا ہی نقصان ہو جائے' کوئی عزیز' دوست یا ساتھی کتنی ہی تکلیف پہنچائے' نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ انسان محنت اور عمل کرتا رہے تو اس کا نتیجہ ایک نہ ایک دن ضرور نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ضرور

جوش میں آتی ہے۔ (مارچ ۱۹۸۸ء)

مایوسی دور کرنے کا طریقہ

مایوسی اچھی چیز نہیں ہے۔

حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں، مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مایوسی حالات کو اور خراب کر دیتی ہے۔ اگر تم دیکھو کہ تمھارے آس پاس کے لوگ مایوس ہو رہے ہیں تو تم اس کا اثر نہ لو، بلکہ ان کو سمجھاؤ کہ اصلاح کے لیے امید اور کوشش ضروری ہے۔ کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ حالات نہیں بدلیں گے۔ حالات خراب بھی انسان ہی کرتا ہے اور بہتر بھی انسان کی کوشش سے ہی ہوتے ہیں۔

مایوسی دور کرنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے کہ انسان فوراً عمل اور کوشش شروع کر دے۔ عمل سے انسان کی ہمت بلند ہوتی ہے اور عمل کا نتیجہ ہمیشہ اچھا نکلتا ہے۔ نتیجہ نکلنے میں دیر ضرور ہو سکتی ہے، لیکن دیر سویر کام یابی ہو ہی جاتی ہے۔ خود عمل شروع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بھائی بہنوں، دوستوں اور ساتھیوں کو عمل اور اصلاح کی طرف راغب کرو۔

قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسلمان نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ مسلمان نہ صرف خود نیک ہوتا ہے، بلکہ دوسروں کو بھی برائیوں سے روک کر نیک بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

اگر ہم سب مل کر اس طرح کوشش کرنے لگیں تو نیکی کا چراغ روشن سے روشن تر ہوتا جائے گا اور برائیاں کم سے کم ہوتی چلی جائیں گی۔

ایک نیک آدمی دوسرے نیک آدمی سے ملتا ہے تو اس کو خوشی ہوتی ہے اور

اس کی مایوسی کم ہوجاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دنیا نیک آدمیوں سے خالی نہیں ہوئی اور وہ خود بھی نیکی پر مضبوطی سے قائم ہو جاتا ہے۔

تو آج ہی امید، عمل اور نیکی کا چراغ ہاتھ میں اٹھا لو اور اس کی روشنی پھیلانے کی کوشش بھی شروع کر دو۔ (اکتوبر ۱۹۹۳ء)

لالچ ایمان کی کمزوری ہے

انسان کو سب سے زیادہ جو چیز نقصان پہنچاتی ہے وہ ہے لالچ۔ لالچ انسان کو خوش ہونے اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتا۔ اس کو جو کچھ بھی میسر ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کچھ اور حاصل کرے۔ یہ فکر اس کو خوش ہونے نہیں دیتی۔ لالچی اور حریص آدمی ہمیشہ اس غم میں گھلا جاتا ہے کہ اسے یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا۔ فلاں کے پاس یہ ہے، میرے پاس یہ نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"بری باتوں میں انسان کو سب سے زیادہ جلانے کڑھانے والی برائی حرص ہے۔"

آج ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان پر غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ ہم اس عیب میں بری طرح مبتلا ہیں۔ اس برائی نے ہماری زندگی سے سکون چھین لیا ہے۔ رشوت، چوری، ڈاکے، لوٹ مار، اغوا، یہ سب اسی لالچ کا نتیجہ ہیں۔ لالچ میں آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ ہر غلط کام کو اپنے لیے جائز سمجھنے لگتا ہے۔ قناعت کی خوبی اس سے چھن جاتی ہے۔ لالچی آدمی عقل سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ عقل مندی تو یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ بھی میسر ہے اس سے خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس کو کم سے کم اتنا تو میسر ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ

ایسے ہیں جن کے پاس اتنا بھی نہیں ہے۔ لالچی آدمی کا ایمان بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ اللہ کے پیارے رسولؐ کا یہ فرمان ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے :

"ایمان اور حرص ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔"

حرص اصل میں ایک عذاب ہے۔ حریص آدمی کے کاموں سے دنیا تو پریشان ہوتی ہی ہے' وہ خود بھی آرام سے نہیں رہ پاتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لالچ سے محفوظ رکھے۔ (جولائی ۱۹۹۱ء)

کام چوری خیانت ہے

تم نے ایک لفظ بہت سنا ہوگا "کام چوری"۔ آؤ آج اس لفظ کے معنی پر غور کریں۔ کام چوری کا ایک مطلب تو ہے کام سے جی چُرانا' لیکن اصل میں کام چور اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی کام کا معاوضہ تو پورا لے' لیکن کام دل لگا کر' محنت سے اور پورا نہ کرے۔ مقررہ وقت میں اور طے شدہ اجرت یا معاوضے میں اتنا کام نہ کیا جائے جتنا کرنا چاہیے تو یہ کام چوری ہوئی۔ کام میں سستی اور کاہلی برتی جائے، کام دیر سے پورا کیا جائے تو یہ بھی کام چوری ہوئی۔ کام چوری ایسی اگر کام اس خوبی سے نہ کیا جائے جتنی خوبی سے کرنا چاہیے تو یہ بھی کام چوری ہی کہلائے گی۔

کام چوری ایک بری عادت ہے۔ کام چوری ایک طرح کی خیانت بھی ہے۔ جس کام کا تم نے معاوضہ لیا ہے وہ کام بھی اس آدمی کی امانت ہے جس نے معاوضہ دیا ہے۔ اب اگر تم نے کام صحیح نہیں کیا تو یہ امانت میں خیانت ہوئی۔ کام چوری ایسی خیانت ہے جس میں جھوٹ اور چوری کی برائیاں شامل ہیں۔ کام چوری سے حاصل کیا ہوا رزق بھی حلال نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔" (سورۂ نساء۔ آیت ۲۹)

اگر تم ذرا سا بھی غور کرو تو تمھیں آج کل اپنے چاروں طرف کام چوری عام ملے گی۔ ملازم بھی کام چوری کرتا ہے۔ مزدور بھی اسی کوشش میں رہتا ہے کہ کم سے کم کام کرے۔ وہ کام میں خوبی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اگر ایک استاد اپنے شاگردوں کو محبت اور محنت سے نہیں پڑھاتا تو وہ بھی کام چوری کرتا ہے۔ ایک طالب علم شوق اور محنت سے نہیں پڑھتا تو یہ بھی کام چوری ہی ہوئی۔ کام چوری کو پاس نہ پھٹکنے دو۔ کام کرنے کا شوق پیدا کرو۔ جب شوق ہوگا تو کام کرنے میں مزہ آئے گا اور کامیابی کے دروازے تم پر کھل جائیں گے۔

(جنوری ۱۹۹۱ء)

سُنی سُنائی باتیں

سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے سے افواہیں پھیلتی ہیں۔ بہت سے لوگ سادگی میں ہر بات پر یقین کر لیتے ہیں اور اس بات کو سچا سمجھ کر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی اسی طرح اس بات کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں اور بہت سی غلط باتیں عام ہو جاتی ہیں اور ان کو اکثر لوگ حقیقت سمجھنے لگتے ہیں۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کسی مشہور شخص کے بارے میں ایسی باتیں گھڑ لیتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کا مقصد یا تو اس شخص کو بدنام کرنا ہوتا ہے یا پھر صرف اپنی معلومات کا سکّہ جمانا اور اپنے کو بہت باخبر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ سادہ لوگ ان کی معلومات سے مرعوب ہو کر ایسی باتوں کو صحیح مان لیتے ہیں اور یہ سلسلہ چل پڑتا ہے۔

بعض باتیں تو اچھی ہوتی ہیں اور ان کو مان بھی لیا جائے تو اتنا ہرج نہیں ہوتا، لیکن جو باتیں کسی شخص یا جماعت یا طبقے کے خلاف ہوں اور اس کی برائی میں ہوں، ان کو ماننے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لینی چاہیے۔ سب سے پہلے تو خود ہی غور کرنا چاہیے کہ یہ بات صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اکثر صورتوں میں غور کرنے سے ان باتوں کی قلعی خود ہی کھل جاتی ہے، لیکن اگر اس طرح بھی تم کسی نتیجے پر نہ پہنچو تو دوسروں سے معلوم کرو۔ اگر تحقیق سے بھی اصل بات نہ معلوم ہو سکے تو پھر اس بات کو ذہن سے اس طرح نکال دو کہ جیسے تم نے سنی ہی نہیں۔

یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کسی شخص یا جماعت کے خلاف کسی بات پر اس وقت تک یقین نہیں کرنا چاہیے جب تک معتبر ذریعوں سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ (فروری ۱۹۸۵ء)

افواہ اور جھوٹ میں فرق نہیں

تم کوئی ایسی بات کہو جو حقیقت یا واقعہ نہ ہو تو اسے جھوٹ کہا جائے گا، لیکن جھوٹ کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جھوٹ سے بھی بڑھ کر بری عادت غیر ذمہ داری کی ہوتی ہے۔ ذمے دار آدمی خود بھی جھوٹ نہیں بولتا اور جھوٹ پر یقین بھی نہیں کرتا۔ تمھارا کوئی ملنے والا تم سے کسی کی تعریف کرے یا کوئی اچھی خبر سنائے اور تم اس کو صحیح مان لو تو اس میں اتنا ہرج نہیں ہے، لیکن وہ کسی پر عیب لگائے یا کوئی بری بات بتائے تو جب تک اس کی خوب تحقیق اور تصدیق نہ کر لو اس کو تسلیم نہ کرو۔ بہت سی باتیں تو بڑی آسانی سے اور ذرا سا غور کرنے سے غلط ثابت ہو سکتی ہیں۔ سب سے پہلا سوال تو یہ کرنا چاہیے کہ کیا یہ بات یا واقعہ تم نے

خود دیکھا ہے۔ اگر نہیں تو کس سے سنا ہے؟ اور جس سے اس نے سنا اس نے کس سے سنا؟ اکثر تو اتنی سی تحقیق اور جرح میں حقیقت سامنے آجاتی ہے اور جھوٹ کھل جاتا ہے۔ اس لیے شروع ہی سے کسی بات کو سوچ سمجھ کر قبول کرنے کی عادت ڈالو۔ بعض لوگ غیر ذمے داری کی عادت کی وجہ سے اور بعض لوگ شرارت کی بنا پر غلط خبریں اور باتیں پھیلاتے ہیں۔ اسی کو افواہ کہتے ہیں۔ سمجھ دار آدمی افواہوں پر یقین نہیں کرتا، لیکن کم عقل لوگ اس کو صحیح مان کر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کے متعلق سرور عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث یاد کرلو کہ "انسان کے جھوٹے ہونے کے لیے اتنی بات بہت ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے بڑھا دے۔" (فروری ۱۹۸۷ء)

بُرا خیال خرابی کی جڑ ہے

بعض وقت اپنے کسی دوست، عزیز، ملنے والے یا دفتر کے ساتھی کے خلاف دل میں خیال آجاتا ہے۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اس دوست سے تو وہ خیال ظاہر نہیں کرتا، لیکن دل میں ضرور بٹھا لیتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس خیال کا اثر عمل پر بھی پڑتا ہے اور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جس سے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں۔ گویا خرابی کی جڑ وہ خیال ہوا جو تمھارے دل میں آیا اور اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلا۔ تعلقات خراب ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ تعلقات بڑی مشکل سے بنتے ہیں اور خوش گوار تعلقات بہت کام آتے ہیں۔ ان سے خوشی ہوتی ہے اور انسانوں کا آپس میں خوش ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر سب انسانوں کے تعلقات آپس میں خوش گوار ہوں تو پوری قوم خوش رہے گی اور سب لوگ آپس میں مل کر اچھے اچھے کام کریں گے، ایک دوسرے پر اعتماد کریں

گے۔ اعتماد سے دنیا چلتی ہے اور لوگ پریشانی سے بچتے ہیں۔ اس لیے جب کسی کے بارے میں کوئی برا خیال دل میں آئے تو اس کو دل سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے کسی دوسرے دوست سے اس کا ذکر کر دینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے تمھارا خیال محض غلط فہمی کی وجہ سے ہو اور دوسرا دوست تمھیں صحیح بات بتادے' لیکن وہ دوست مخلص اور سچا ہو' ورنہ وہ بجائے صفائی کرنے کے تم دونوں کو اور لڑوا دے گا۔ یا جس دوست کے متعلق غلط خیال پیدا ہوا ہے اسی سے ذکر کر کے بات صاف کر لینی چاہیے۔ بہر حال کوئی برا خیال جتنی جلد ہو سکے دل سے نکال دینا اچھا ہے۔ (جنوری ۱۹۸۷ء)

مسلمان کا گھر امن کا گہوارہ

مل جل کر رہنے میں جو مزہ ہے' وہ کسی چیز میں نہیں۔ جس گھر کے سب لوگ آپس میں میل محبت سے رہتے ہوں' ایک دوسرے کے کام کرتے ہوں' دکھ درد میں شریک ہوتے ہوں' کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتے ہوں' وہ گھر جنت ہے۔ جس گھر کے لوگوں میں محبت نہ ہو' ایک دوسرے کا خیال نہ ہو' ذرا ذرا سی بات پر الجھتے ہوں' کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے معاف نہ کرتے ہوں' وہ گھر جہنم کی طرح ہے۔ ایسے گھر کا ہر فرد پریشان ہوتا ہے۔ نہ کھانے میں مزہ آتا ہے نہ پینے میں۔ اس گھر میں کسی کو سکون نصیب نہیں ہوتا۔ ایسا گھر مسلمانوں کا گھر نہیں ہوتا' مہذب لوگوں کا گھر نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا گھر تو امن' چین' خیر و برکت کا گہوارا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ الاعراف کی آیت ۱۹۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

"معاف کرنے کی عادت ڈالو' نیکی کی

نصیحت کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان پر اگر ہم غور کریں تو ہماری موجودہ تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کا اس میں حل موجود ہے۔ ہم اپنی غلطی پر غور کرنے کی عادت بھول چکے ہیں۔ صرف دوسروں کی غلطیاں ہی ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم ان کو معاف کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے بھائیوں اور دوستوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف مائل نہیں کرتے' ان کو صحیح راستہ اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیتے۔ اگر ہم یہ کرنے لگیں اور ناسمجھوں اور جاہلوں سے الجھنا اور ان کا طریقہ اپنا کر خود بھی ان جیسے کام کرنا چھوڑ دیں تو ہم امن و راحت کی جنت میں پہنچ جائیں۔

جب بھی دوستوں سے ملو' اچھی اچھی باتیں کرو' ان کو بھلائی اور نیکی کا راستہ بتاؤ۔ تم بھی خوش رہو گے اور وہ بھی۔ (نومبر ۱۹۸۸ء)

محبت کا عمل

جس طرح ہمارا ایمان ہے کہ مسلمان مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' اسی طرح ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے محبت بھی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ ایک مسلمان دوسرے سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ بھی ایمان والا ہے اور وہ بھی اللہ کا ماننے والا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ جب دو آدمی ساتھ سفر کرتے ہیں اور ان کی منزل اور ان کا راستہ بھی ایک ہی ہوتا ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکلیف کا خیال رکھنے لگتے ہیں۔

مسلمانوں کی منزل بھی ایک ہے۔ ان کا راستہ اور طریقہ بھی ایک ہی ہے۔

وہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو سچا مانتے ہیں اور دنیا میں بھلائی پھیلانا چاہتے ہیں۔ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ ہو۔ دنیا کا ہر انسان آرام سے زندگی گزارے اور تمام انسان ایک دوسرے کی عزت کریں۔ ایسی صورت میں مسلمان مسلمان کو تو آپس میں ایک جان دو قالب ہونا ہی چاہیے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ "قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان نہ لاؤ، اور ایمان نہیں لاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں کہ تم اس پر عمل کرو تو آپس میں محبت ہو جائے۔ وہ بات یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۔"

سلام کرنے کا مطلب ہے سلامتی چاہنا۔ جب بھی دو مسلمانوں کا آمنا سامنا ہو ان کو چاہیے کہ سلام کریں۔ اس طرح حضورؐ کے ارشاد کے مطابق آپس میں محبت بڑھے گی اور بھائی چارہ پیدا ہوگا۔ (جولائی ۱۹۸۹ء)

دو اچھی اور دو بری عادتیں

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دو عادتیں ایسی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی اچھی چیز نہیں: ایک تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچانا۔ اور دو عادتیں ایسی ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں: ایک اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، دوسرے مسلمانوں کو ستانا۔

اس فرمان سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے آقاؐ نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کو اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور دونوں کو بہترین

خوبی قرار دیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو ستانے کو شرک کے برابر بتایا ہے۔ اس لیے جو لوگ کسی مسلمان کو ستاتے ہیں، دکھ دیتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس درجے کے گناہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

ستانے کی کئی صورتیں ہیں : مارنا پیٹنا، زخمی کرنا، پیسہ چھیننا، کسی سے کام لے کر اس کی اجرت نہ دینا یا کم دینا، کسی سے اجرت لے کر اچھا اور پورا کام نہ کرنا، کوئی چیز حد سے زیادہ منافع لے کر بیچنا، کوئی مال خراب ہو تو اس کا عیب ظاہر کیے بغیر یا اس کو بے عیب کہہ کر فروخت کرنا، کسی کے بچے کو اس سے جدا کرنا، یہ سب ستانے اور دکھ پہنچانے کی قسمیں اور شکلیں ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر وہ ایمان پر قائم رہنا چاہتا ہے تو مسلمانوں کو ستانے کے ان تمام طریقوں سے بچے اور اپنے اعمال پر غور کرتا رہے کہ اس نے جان بوجھ کر یا بے خیالی میں کوئی کام ایسا تو نہیں کیا جس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے۔ یاد رکھو، اچھا مسلمان خود نقصان اٹھا لیتا ہے، دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ کسی کو فائدہ اور آرام پہنچانے کے لیے تکلیف اٹھانے میں جو راحت اور سکون ملتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ (ستمبر ۱۹۸۹ء)

لڑائی میں کسی کا فائدہ نہیں

لڑائی جھگڑا، فساد، افتراق، انتشار اور نفاق، یہ وہ الفاظ ہیں جن کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ کوئی قوم، کوئی جماعت، کوئی فرقہ، کوئی طبقہ، کوئی قبیلہ، کوئی گروہ لڑائی جھگڑے کو اچھا نہیں کہتا۔ وہ لوگ بھی اور وہ قومیں بھی جو لڑائی کرتی ہیں اس کو اچھا نہیں سمجھتیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لڑائی شروع کرنے کی ذمے داری دوسری قوم پر ڈالتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم تو صرف جواب دے رہے ہیں، ہم تو

اپنا دفاع کر رہے ہیں۔ نہ ہم نے لڑائی شروع کی ہے نہ ہم لڑائی چاہتے ہیں۔

لڑائی میں کسی کا بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ لڑنے والے دونوں فریق نقصان اٹھاتے ہیں' کوئی کم کوئی زیادہ۔ ہارنے والا تو برباد ہوتا ہی ہے' جیتنے والا بھی گھاٹے میں رہتا ہے۔ اس لیے عقل مند لوگ ہمیشہ لڑائی سے بچتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اختلاف بڑھنے اور لڑائی کی صورت اختیار نہ کرنے پائے۔ ایک بار لڑائی شروع ہوجائے تو اس کا رکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لڑائی میں عقل ختم ہو جاتی ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ عقل مند سے عقل مند آدمی بھی الٹا سوچنے لگتا ہے اور اپنی غلطی کو' اپنی خامی کو اور اپنے قصور کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور جب یہ صورت ہو جائے تو سمجھو کہ تباہی اور بربادی قریب ہے۔

لڑائی کسی سے بھی ہو' اچھی نہیں' لیکن آپس میں لڑنا تو بہت ہی برا ہے۔ دو مسلمان آپس میں لڑیں اور ان دونوں کے حمایتی صرف دوسرے کو برا کہیں اور اپنے آپ کو بے گناہ قرار دیں تو یہ انصاف اور حق گوئی کے خلاف ہے۔ سچائی یہ ہے کہ زیادتی کرنے والا چاہے تمھارا عزیز ہو' بھائی ہو' برادری اور قبیلے کا ہو' اس کا ساتھ نہ دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"جو شخص ظالم کو ظالم جانتے ہوئے بھی اس کا ساتھ دے وہ اسلام سے نکل گیا۔"

انصاف' سچائی اور شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ لڑائی اور فساد کو روکنے کی کوشش کرو اور ظلم کو مٹانے کی کوشش کرو۔ (اکتوبر ۱۹۹۰ء)

آؤ سب امن سے رہیں

کسی کو پریشان دیکھنا یا کسی کو بیمار دیکھنا اور اس سے ہمدردی کرنا' اس پر رحم

کھانا بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ کسی سے غلطی ہو جائے اور وہ اپنی غلطی مان لے تو اس کو معاف کر دینا بھی نیکی ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجسم رحمت تھے۔ آپؐ لوگوں پر رحم فرماتے تھے۔ مصیبت میں لوگوں کے کام آتے تھے۔ کسی کو پریشان دیکھ کر اس کی مدد کرتے تھے۔ کم زوروں، بیماروں کی خدمت کرتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے :

"تم اللہ کے بندوں پر رحم کھاؤ، تم پر رحمت کی جائے گی۔ تم لوگوں کے قصور معاف کرو، تمھارے قصور معاف کیے جائیں گے۔"

مسلمان رحم دل اور ہمدرد ہوتا ہے۔ وہ لڑائی، جھگڑا اور فساد پسند نہیں کرتا۔ وہ دنیا سے فساد مٹانا اور جھگڑے ختم کرنا چاہتا ہے۔ وہ امن پسند ہوتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ خود بھی نہ لڑے اور دوسروں کو بھی لڑائی سے روکے۔ لڑائی ختم کرنے کے لیے وہ دوسروں کو معاف کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو برا نہیں کہا، کسی کے لیے بددعا نہیں کی۔ آپؐ اپنوں کے ساتھ شفقت فرماتے تھے اور غیروں کے ساتھ بھی برائی نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کی طبیعت میں سختی نہیں تھی، نرمی تھی۔ آپؐ فرماتے تھے کہ اچھا وہی ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہو۔ جو شخص اپنوں کے لیے اچھا نہیں ہوگا وہ غیروں کے لیے کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔

آج دنیا میں لڑائی، جھگڑے کا زور ہے۔ اگر لوگ اسلام کی تعلیم اور حضورؐ کے نمونے کے مطابق عمل کریں تو دنیا سے لڑائی اور بدامنی ختم ہو جائے۔ لڑائی اور فساد شیطانی فعل ہے۔ لڑائی بربادی لاتی ہے۔ جنگ ہر حالت میں بری ہے، جنگ میں نقصان ہی نقصان ہے۔ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔ جب دو قومیں جنگ کرتی ہیں تو دونوں پریشان ہوتی ہیں۔ جب دو ملک لڑتے ہیں تو دونوں برباد ہوتے ہیں۔ لڑائی میں ہارنے والا تو نقصان اٹھاتا ہی ہے، جیتنے

والا بھی فائدے میں نہیں رہتا۔

آپس میں مل کر رہو۔ ہمدردی کرو۔ دوسروں کی غلطی معاف کرو۔ اپنی غلطی تسلیم کرو۔ جنگ نہیں ہوگی۔ سب امن سے رہیں گے۔

(مارچ ۱۹۹۱ء)

اچھے انسانوں کی خوبیاں

اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں سے محبت کرے۔ لڑے جھگڑے نہیں۔ دوستی کا حق ادا کرے۔ اپنے دوستوں، ساتھیوں، بھائیوں کو برائی سے روکے۔ ان کی برائی نہ چاہے۔ ان کی برائی نہ کرے۔ ان کی بھلائی چاہے۔ نہ خود ان سے لڑے نہ ان کو آپس میں لڑائے۔ انسانوں کو آپس میں لڑانا بہت بڑا عیب ہے، گناہ ہے۔ انسانوں کو ملانا، جوڑنا، دوستی کرانا اور صلح کرانا بہت بڑی نیکی اور بھلائی ہے۔

قرآن حکیم کی سورۂ النساء میں فرمان الٰہی ہے کہ صلح بہتر ہے :

والصلح خیر (آیت ۱۲۸)

جب دو انسان آپس میں محبت اور پیار سے ملتے ہیں تو دونوں کو فائدہ ہوتا ہے۔ پیار محبت میں جو سکون ہے وہ دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے۔ زندگی کا لطف محبت ہی میں ہے۔ اگر دو انسانوں یا گروہوں یا دو قوموں میں لڑائی یا رنجش ہو جائے تو ان کی دوستی کرانا بہت نیک کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کریں۔ سورۂ حجرات میں ہے :

"بے شک مومن تو بھائی بھائی ہیں، پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح قائم رکھو۔" (ترجمہ آیت ۱۰)

میل، محبت، دوستی، مروت، خوش کلامی، اتفاق اور اتحاد میں بڑی برکت ہے، مزہ ہے، سکون ہے۔ مل جل کر رہنا، ایک دوسرے کے کام آنا، ایک دوسرے کی ہمدردی کرنا، اچھے انسانوں میں یہ سب خوبیاں ہوتی ہیں۔ ایسے انسان بڑے آرام اور اطمینان سے رہتے ہیں۔ لڑنے لڑانے والے لوگ نہ خود آرام پاتے ہیں اور نہ دوسروں کو سکون سے رہنے دیتے ہیں۔

خود بھی پیار محبت سے رہو اور دوسروں کو بھی محبت اور دوستی کرنا سکھاؤ۔

(فروری ۱۹۹۲ء)

چھوٹا سا لفظ بہت بڑی چیز

تحفہ! کتنا چھوٹا سا لفظ ہے یہ!

لفظ تو بے شک چھوٹا سا ہے، لیکن چیز بڑی ہے، بہت بڑی!

کیا تم اس کا مطلب یہ سمجھے کہ تحفے میں کوئی بڑی چیز ہونی چاہیے؟ نہیں بھئی نہیں! میرا مطلب تو یہ ہے کہ تحفہ اپنی جگہ خود بڑی چیز ہے، چاہے وہ چیز جو تحفے میں دی جائے کتنی ہی چھوٹی، کتنی ہی معمولی ہو۔ اصل میں تحفہ ایک عمل ہے، ایک اچھا عمل۔ اس عمل سے محبت پیدا ہوتی ہے اور آپس کے تعلقات اچھے ہوتے ہیں۔

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پڑھو :

"ایک دوسرے کو تحفہ بھیجا کرو۔ آپس میں محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی کدورت اور دوری جاتی رہے گی۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف نصیحت ہی نہیں کی، بلکہ آپؐ خود بھی اس پر عمل فرمایا کرتے تھے اور اکثر اپنے ساتھیوں کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔

آپؐ کے ساتھی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیم اجمعین ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے۔

تحفے سے خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ تم جس کو تحفہ دیتے ہو اس کے دل میں تمھاری جگہ پیدا ہوتی ہے اور اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تحفہ دیتے وقت یہ نہ سوچو کہ کوئی قیمتی چیز ہی ہو۔اپنی جیب اور حیثیت کے مطابق تحفہ دینا چاہیے۔ گنجائش سے زیادہ کا تحفہ دو گے تو تم پر بوجھ پڑے گا۔ اسی طرح جواب میں تمھارا دوست بھی اگر کوئی تحفہ دے گا تو اس پر بھی بوجھ پڑے گا۔ تحفے کو محبت اور خوشی کا ذریعہ بناؤ، مصیبت اور تکلیف کا سبب نہ بناؤ۔

تحفے کی ایک شکل "دعوت" بھی ہے۔ دوستوں کی دعوت بڑی مزے دار تفریح بھی ہوتی ہے۔ دعوت اس طرح بھی ہو سکتی ہے کہ سب دوست اپنا اپنا کھانا مل کر کھائیں۔ دعوت میں بھی سادگی اور آسانی کو نہیں بھولنا چاہیے۔

(اپریل ۱۹۹۴ء)

اچھا سلوک اصلاح کا طریقہ

آج دنیا امن کے لیے ترس رہی ہے۔ ہر طرف لڑائی، جھگڑے اور فساد و بدامنی کا بازار گرم ہے۔ خود ہمارے پیارے وطن میں بھی امن و سکون عنقا ہے اور یہ بات زیادہ تکلیف دہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں امن کا دور دورہ نہ ہو، کیوں کہ امن تو ایمان کا حصہ ہے۔ ایمان امن اس لیے ہے کہ ایک انسان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان پر لا کر آخرت کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ دنیا میں بھی اس کو بہت سی برائیوں سے نجات اور راحت میسر آجاتی ہے۔

مسلمان کی حیثیت سے ہمیں نہ صرف پُرامن ہونا چاہیے' بلکہ ہماری پوری زندگی امن کا پیغام ہونا چاہیے۔ سورۂ النساء کی آیت ۹۰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"اگر وہ لڑائی کرتے کرتے اس سے گریز کریں' تم سے نہ لڑیں اور صلح کرنا چاہیں تو اللہ تمھیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔" (ترجمہ)

گویا مسلمان کو دشمن سے بھی اس وقت تک مقابلہ کرنے کی اجازت ہے جب تک کہ دشمن لڑے' لیکن جب دشمن لڑتے لڑتے صلح کی خواہش کی درخواست کرے تو مسلمانوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ صلح قبول کرلیں۔

آج ہم جن حالات سے دو چار ہیں ان کی وجہ پر غور کریں تو ہم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی خلاف ورزی ہی اس کا سبب ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اتحاد کے ساتھ رہیں اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کریں اور اپنے اچھے سلوک سے غلط کاروں کی اصلاح کریں۔

(اکتوبر ۱۹۹۴ء)

میزبانی اور مہمانی کے آداب

مہمان کی خاطر تواضع کرنا ہماری تہذیب کا حصہ ہے۔ کسی غریب سے غریب آدمی کے ہاں بھی مہمان آتے ہیں تو وہ ان کی زیادہ سے زیادہ خاطر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ بعض وقت میزبان نے خود بھوکا رہ کر مہمان کو کھلایا اور مہمان کو احساس بھی نہیں ہونے دیا کہ اس کا میزبان خود بھوکا رہ گیا ہے۔

میزبان کی طرح مہمان کو بھی ایک مہذب انسان کی حیثیت سے اعلا اخلاق کا نمونہ ہونا چاہیے۔ مہمان کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنے میزبان کے لیے زحمت اور تکلیف کا باعث نہ بنے۔ بے وقت نہ پہنچے' زیادہ نہ ٹھیرے۔ بعض لوگ کسی کے ہاں جانے سے پہلے اس کو اطلاع نہیں کرتے۔ بغیر اطلاع کے پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح میزبان بعض وقت پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ جس کے ہاں مہمان پہنچے وہ عین اسی وقت کسی ضروری کام سے جانے والا تھا۔ مہمان کو دیکھ کر اس کو مجبوراً رکنا پڑا اور اس کا کام خراب ہوا۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ جس وقت کوئی بن بلایا مہمان پہنچا وہ وقت میزبان کے آرام کا تھا اور وہ تھک ہار کر ذرا سی دیر آرام کرنے لیٹا تھا یا وہ وقت اس کے کھانے کا تھا' مہمان کی وجہ سے وہ وقت پر کھانا نہیں کھا سکا۔

کراچی جیسے بڑے شہروں میں ایک خراب عادت لوگوں کی یہ بھی ہوگئی ہے کہ رات کو دیر سے کسی کے ہاں جاتے ہیں۔ رات کو دس گیارہ بجے کسی کے گھر جانے میں کوئی برائی نہیں سمجھتے' حال آنکہ یہ طریقہ کسی لحاظ سے بھی درست نہیں ہے۔ ہمیشہ اطلاع کرا کر کسی کے ہاں جاؤ یا اطلاع نہیں کرا سکتے ہو تو کم سے کم اندازہ کر کے صحیح وقت پر جاؤ۔ زیادہ دیر نہ بیٹھو۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ چلتے وقت میزبان کا شکریہ ادا کرو۔

میزبان کا فرض ہے کہ وہ مہمان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے اور مہمان کے چلتے وقت اس کو دروازے تک پہنچائے۔ (دسمبر ۱۹۹۴ء)

تحفہ دینا سنّتِ رسولؐ

میں اسکول میں نونہالوں کے درمیان تھا۔ ان سے باتیں کر رہا تھا کہ میرا

داخلہ کلاس ون میں کرا دو۔ میں تمھارے ساتھ پڑھنا چاہتا ہوں۔ سب نونہالوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ میں بھی ہنسنے لگا۔ ابھی میں پھولوں کے اس جھرمٹ میں ہی تھا کہ ایک نہایت معصوم' ایک نہایت خوب صورت' ایک نہایت پیاری ننھی بچّی آگے آئی۔

اس کے ننھّے منّے ہاتھوں میں ایک گلُ دستہ تھا! حسین و جمیل پھولوں کا یہ گلُ دستہ اس نے مجھے دیا : "حکیم صاحب! یہ میں نے اپنے گھر کے باغ میں سے پھول احتیاط سے توڑ کر بنایا ہے!"

میں نے گلُ دستہ لے لیا۔ شکریہ ادا کیا کہ شکریہ ادا کرنا ایک اچھائی ہے۔ نونہالوں سے میں نے کہا :

"تحفہ دینا سنت رسولؐ ہے۔ تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔"

ایک نہایت معصوم بچی نے رسولؐ کی سنت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت رسولؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(اکتوبر ۱۹۹۵ء)

اخلاق نصف ایمان ہے

رسول مقبول حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اخلاق نصف ایمان ہے۔ تعلیمات اسلامی تمام تر اخلاقیات پر مبنی ہیں۔ ہر پہلو سے اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں کا اخلاق اعلا ترین اور بلند ترین ہو۔ مسلمان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ مسلمان ایک دوسرے کو اپنا بھائی بنائیں اور بھائی رکھیں۔ اپنی ذات کو بھول کر دوسروں کے لیے خود کو وقف کردیں اور خدمت کریں۔ حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں۔ ایک دوسرے کا احترام کریں'

عزت کریں۔ نونہال اور نوجوان بڑوں کے سامنے جھک جائیں اور بڑے نونہالوں اور نوجوانوں سے محبت کریں۔

ہر حال میں دوست بن کر رہنا اعلا اخلاق ہے۔ (مارچ ۱۹۹۶ء)

حسنِ سلوک مقبولیت کا ذریعہ

اچھا آدمی وہ ہے جو ہر کام خوش اسلوبی سے کرے۔ خوبی یہ ہے کہ جو کام کیا جائے وہ اپنے لیے بھی راحت اور خوشی کا سبب بنے اور دوسروں کے لیے بھی تکلیف دہ نہ ہو' بلکہ جہاں تک ہو سکے ان کے آرام اور خوشی کا بھی خیال رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ بات پسند ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جو بکری کو گرا کر اس کے چہرے پر اپنا پیر رکھے ہوئے چھری تیز کر رہا تھا اور بکری یہ دیکھ رہی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا:

"کیا یہ بکری ذبح ہونے سے پہلے نہ مر جائے گی؟ کیا تم اس کو دہری موت دینا چاہتے ہو؟"

حضورؐ کے اس ارشاد سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان ہو یا جانور' اس کو غیر ضروری تکلیف نہیں دینی چاہیے۔ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے۔

حسن سلوک ایسی چیز ہے جس کا اظہار ہر وقت' ہر موقع پر اور ہر شخص سے ہو سکتا ہے۔ روزانہ صبح سے شام تک آپ کا واسطہ سیکڑوں آدمیوں سے پڑتا ہے' کسی سے سرسری ملاقات ہوتی ہے' کسی سے تفصیلی بات چیت ہوتی ہے' کسی سے صرف سلام و دعا تک ہی بات پہنچتی ہے' لیکن آپ ان سب کے ساتھ اچھے سلوک کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ ان سے اخلاق' محبت اور نرمی سے پیش آ سکتے ہیں۔

اس طرح آپ کو بھی سکون ملے گا اور ان پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔

جو لوگ اس نکتے کو سمجھ لیتے ہیں ان کو سب لوگ پسند کرتے ہیں۔

(جولائی ۱۹۹۶)

خوش رہنے اور خوش رکھنے کا راز

آج تمھیں خوش رہنے اور دوسروں کو خوش رکھنے کا راز بتاتا ہوں۔

پہلے ایک واقعہ سن لو! حضرت لقمان علیہ السلام شاید پیغمبر ہوں، لیکن ان کے حکیم ہونے میں تو شبہ نہیں۔ قرآن حکیم میں حضرت لقمان کی حکمت کا ذکر ہے۔ حکیم کے معنی حکمت والے اور دانا کے ہیں۔ حضرت لقمان نے ایک باغ میں نوکری کر لی۔ ایک دن باغ کا مالک آیا اور آپ سے ککڑیاں لانے کو کہا۔ آپ ککڑیاں لے آئے تو مالک نے ان کو تراش کر ایک ایک ٹکڑا دینا شروع کیا۔ حضرت لقمان مزے سے کھاتے رہے۔ آخر میں مالک نے خود ککڑی کا ایک ٹکڑا چکھا تو فوراً تھوک دیا، کڑوا زہر تھا۔ اس نے کہا: "اے لقمان! تم اس کڑوی زہر ککڑی کو مزے لے لے کر کھا رہے ہو۔ بتایا کیوں نہیں کہ یہ کڑوی ہے؟"

حضرت لقمان نے فرمایا: "میں کیا کہتا! میں نے سوچا کہ جس ہاتھ سے ہزاروں بار میٹھی چیزیں کھائی ہیں، اگر اس ہاتھ سے ساری عمر میں صرف ایک بار کڑوی چیز ملی تو اس کی کیا شکایت کروں!"

دراصل حضرت لقمان کے اس قول میں ہماری خوشی اور دوسروں سے خوش گوار تعلقات کا راز پوشیدہ ہے۔ دنیا میں لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ جھگڑوں سے بچنے اور خوش رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کی برائیوں کے بجائے اچھائیوں اور نیکیوں پر نظر رکھے۔ برائیوں اور کم زوریوں کو

بھول جائے۔ اگر برائیوں کو یاد رکھے گا تو دل صاف نہیں رہے گا اور دل کا اثر زبان اور عمل پر بھی پڑے گا اور برائیوں کا سلسلہ چل نکلے گا۔

(اگست ۱۹۹۷ء)

ہمارے بزرگوں کی بڑائی کا سبب

تعصب بھی اتنی ہی بڑی برائی ہے جتنی کہ ناانصافی اور ظلم۔ اپنے قبیلے اور برادری کو رعایت دینا اور دوسروں کو ان سے محروم کرنا' اپنے فرقے کا لحاظ کرنا اور دوسرے فرقوں کو نظرانداز کرنا' اپنوں کو ترقی سے نوازنا اور غیروں کو محروم کرنا' یہ سب کھلی ناانصافیاں ہیں۔

صوبے اور علاقے کا تعصب' زبان کا تعصب' ذات اور قوم کا تعصب' عقیدے کا تعصب' سماجی حیثیت کا تعصب' یہ سب تعصبات قوم کے شیرازے کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ ان سے نفرتیں اور دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔ ان سے محبت اور اتحاد ختم ہوتا ہے اور بے گانگی اور غیریت آتی ہے۔

جس قوم میں تعصب کے جراثیم ہوں وہ کبھی طاقت ور نہیں رہ سکتی' کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر ذرا سا بھی تعصب ہو تو انصاف نہیں ہو سکتا۔ تعصب شرافت کے بھی خلاف ہے اور مساوات کے بھی خلاف ہے۔ جہاں تعصب ہو وہاں سکون نہیں ہو سکتا۔

ہمارے بزرگوں کی بڑائی کا ایک راز یہی تھا کہ انھوں نے تعصب کو پاس نہیں پھٹکنے دیا۔ ہر شخص کو اس کی لیاقت کا پھل ملتا تھا' چاہے کوئی گورا ہو یا کالا۔ ہر قوم کو اسلام نے یک جا اور یک جان کر دیا تھا' یہاں تک کہ غلامی کا امتیاز ختم کر دیا گیا۔ جن کے آبا و اجداد کبھی غلام ہوئے تھے' بعد میں ان کی اولاد ہی سے

نام ور عالم اور رہ نما ابھرے۔ آج بھی اگر ہم تعصب کو ختم کر دیں تو ہم میں سے ہر شخص کو خوشی میسر آسکتی ہے اور ملک خوب ترقی کر سکتا ہے۔ (اکتوبر ۱۹۹۷ء)

مدد اور تعاون کی دو قسمیں

آپس کی مدد سے بہت سے کام آسان ہو جاتے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کا محتاج ہے۔ کوئی انسان بھی تنہا زندہ نہیں رہ سکتا۔ کہتے ہیں کہ اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ ہزاروں کام ایسے ہیں جن میں دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے کام نہ آئیں تو ہم سب کی زندگی مشکل ہو جائے' اس لیے ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے بزرگوں' بھائیوں' دوستوں' ساتھیوں اور جاننے والوں کی مدد کرے۔

مدد اور تعاون کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ مدد جو کسی کے کہنے یا خواہش کرنے پر کی جائے اور مدد کی ایک قسم وہ ہے جو بغیر کہے یا بلا طلب کی جائے۔ دونوں قسم کی مدد نیکی ہے' لیکن جو مدد بغیر مانگے کی جائے وہ زیادہ بڑی نیکی اور خوبی ہے۔ یہ مدد کئی طریقوں سے ہو سکتی ہے۔ تم نے اپنے کسی بزرگ کا کام ان کے کہے بغیر کر دیا۔ اپنے کسی دوست کو کوئی اچھا مشورہ دیا۔ اِس کو کسی غلط بات سے روکا۔ تمھارے کسی ساتھی کے پاس کتاب نہیں ہے۔ تمھیں معلوم ہے وہ خرید نہیں سکتا۔ وہ کسی سے مانگے گا بھی نہیں۔ تم نے اس کو ایک کتاب دے دی یا اپنی کتاب ہی عارضی طور پر پڑھنے کو دے دی۔ کوئی ساتھی پڑھنے میں کم زور ہے۔ تم نے اس کو سبق یاد کرا دیا۔ ان سب کاموں کا شمار نیکی میں ہے اور ان کو کرنے والا قابل قدر اور لائق عزت ہے۔

ہم جس طرح اپنا کام کرتے ہیں۔ اپنی مدد آپ کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کے کام بھی کر سکتے ہیں۔ زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت مدد تو ضرور کر سکتے ہیں اور کرنی چاہیے۔ اسی میں فائدہ ہے اور اسی میں زندگی کا مزہ ہے۔

(جنوری ۱۹۸۶ء)

ہمدردی کا تقاضا

ہمدردی کیا ہے؟

دوسرے کے درد کو سمجھنا اور اس میں شریک ہونا ہمدردی ہے۔ جو انسان کسی کی پریشانی، دکھ اور درد کو محسوس کرے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ غور کرے کہ اگر میں بھی اسی قسم کے دکھ درد میں مبتلا ہوتا تو مجھ پر کیا بیتتی، وہ دوسرے انسان کا ہمدرد ہے اور یہ جذبہ اگر پورے طور پر پیدا ہو تو پھر وہ عمل پر بھی آمادہ کرتا ہے۔ ہمدردی کا تقاضا یہی ہے۔

ہمدردی بہت بڑی خوبی اور اعلا انسانی اوصاف میں سے ہے۔ اچھے انسان کی تعریف یہی ہے کہ وہ کسی کو تکلیف میں دیکھے تو اس کے دل پر اثر ہو اور اس میں محبت اور رحم کا جذبہ پیدا ہو۔ جس انسان میں یہ جذبہ پیدا ہوگا وہ یقیناً دکھ میں مبتلا شخص کی مدد بھی کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی تکلیف دور کرنے یا پوری طرح دور کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن کم سے کم وہ کسی نہ کسی حد تک اس کے درد میں شریک ہو سکتا ہے، اس کا دکھ بانٹ سکتا ہے۔ وہ اسے تسلی اور دلاسا دے سکتا ہے، اپنی زبان سے اس کی ہمت بندھا سکتا ہے، کوئی مشورہ دے سکتا ہے یا پھر کوئی ترکیب بتا سکتا ہے جس سے وہ شخص اپنی مشکل خود ہی دور کر سکے۔ ہمدرد انسان کسی ایسے آدمی کا پتا بتا سکتا ہے یا خود اس کے پاس لے جا سکتا ہے جو پریشان

شخص کے کام آ سکے۔

قرآن حکیم نے صحابۂ کرامؓ (حضرت رسول اکرمؐ کے پیارے ساتھیوں) کی تعریف کرتے ہوئے سورۂ الحشر میں فرمایا ہے :

"اور یہ لوگ دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں' چاہے خود ضرورت مند ہوں۔" (ترجمہ آیت ۹)

ہم خود تکلیف اٹھا کر دوسرے کی مدد اور ہمدردی نہیں کر سکتے تو کم سے کم اپنے فائدے اور آرام میں تھوڑی سی کمی کر کے تو کسی کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو ہم سب کی زندگی کتنی آسان اور ہماری قوم کتنی خوش حال ہو جائے۔ (جون ۱۹۹۰ء)

عبادت سے افضل چیز

انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو ہر کام کے لیے دوسرے انسانوں کی مدد اور ان کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ اسی کو معاشرہ یا سماج یا سوسائٹی کہتے ہیں۔ معاشرے کی بقا' ترقی اور خوش حالی کے لیے انسانوں کا آپس میں مل کر رہنا اور ایک دوسرے کے کام آنا ضروری ہے۔ لوگ اگر ایک دوسرے کے فائدے اور آرام کا خیال نہ رکھیں تو سب کی زندگی دشوار ہو جائے گی۔ ایسے معاشرے میں سکون اور اطمینان نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی سورۂ الحجرات میں ہے کہ :

"مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔" (آیت ۱۰)

تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس لیے ان کو آپس میں ایک دوسرے کا مدد گار اور معاون ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔ دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھنا چاہیے۔ سمجھ دار انسان اپنے

پڑوسی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اسلام میں پڑوسی کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اگر تمھارا پڑوسی تکلیف میں ہے تو تمھیں آرام اور سکون کیسے مل سکتا ہے۔

جس معاشرے میں لوگ پڑوسی کا' عزیز کا' دوست کا' ساتھی کا خیال نہیں رکھتے وہ معاشرہ ترقی کرنا تو بڑی بات ہے' قائم بھی نہیں رہتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان غور سے پڑھو :

"کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو روزے' نماز اور صدقے سے بھی افضل و برتر ہے؟" صحابہؓ نے عرض کیا : "ضرور' ارشاد ہو۔" آپؐ نے فرمایا : "آپس کے تعلقات کو ٹھیک کرنا۔"

(جنوری ۱۹۹۸ء)

عیادت فرض ہے

اسلام نے ہمیں اچھی زندگی گزارنے کی ساری باتیں سکھائی ہیں۔ اچھی اور خوش گوار زندگی کے لیے سب سے اہم بات آپس میں اچھے تعلقات رکھنا ہے۔ عزیزوں' دوستوں اور جاننے والوں سے اخلاق سے ملنا' ان کے دکھ درد میں شریک ہونا بھی اچھے لوگوں کا شعار اور طریقہ ہے۔ دکھ درد میں شرکت کے لیے ضروری ہے کہ جب کوئی عزیز یا دوست بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے۔ اس کے پاس جاکر اس کی خیریت معلوم کی جائے اور اس کو تسلی دی جائے۔ اس کی صحت کے لیے دعا کی جائے۔

ہمارے پیارے حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنوں پرایوں' سب کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ مسلمان اور غیر مسلمان کا اس معاملے میں کوئی امتیاز نہیں فرماتے تھے۔ ایک یہودی غلام بیمار ہوا تو آپؐ اس کی عیادت کے لیے

اس کے گھر تشریف لے گئے۔

جب کسی بیمار کے پاس جاؤ اور اس کو پریشان یا مایوس دیکھو تو اس کی ہمت بندھاؤ' اس سے ایسی باتیں کرو جس سے اس کو یہ امید ہو کہ وہ صحت مند ہو جائے گا۔ اگر اس کو تکلیف میں دیکھ کر تم خود بھی پریشان اور فکر مند ہو گئے تو اس کا اظہار اس کے سامنے نہ کرو' کیوں کہ اس طرح وہ اور زیادہ پریشان ہو جائے گا۔

عیادت ایک انسانی ذمے داری اور اسلامی فرض ہے۔ اس سے آپس میں محبت اور ہمدردی بڑھتی ہے اور تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں۔

(جون ۱۹۹۸ء)

انسان کی اعلا صفات

انسان اشرف المخلوقات ہے اور ہمدردی' خلوص و ایثار اس کی اعلا صفات ہیں۔ جو آدمی ان صفات سے محروم ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب تک مسلمانوں میں ہمدردی اور محبت کی صفات رہیں وہ خوش اور خوش حال رہے۔ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہے۔ آپس کے تعاون سے دین اور دنیا کی نعمتیں ان کو حاصل رہیں۔ وہ دوسروں کی مدد کے محتاج نہیں رہے۔ ان کو نہ کسی مدد کی ضرورت ہوئی اور نہ قرض لینے کی' لیکن آج ہمارا حال دوسرا ہے۔

آج ہم ایک دوسرے کے معاون اور مددگار نہیں ہیں' بلکہ ہم میں سے جس شخص کا بس چلتا ہے وہ صرف اپنی جھولی بھرلیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس طرح وہ اپنے بھائیوں کے لیے کتنی پریشانیاں اور مشکلات پیدا کر

رہا ہے۔

قرآن شریف کی سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ (رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے ساتھیوں) کی تعریف میں فرمایا ہے :

"اور (یہ لوگ) دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔" (آیت ۹)

لیکن آج ہم مسلمان دوسروں کو اپنے پر ترجیح دینے کے بجائے خود کو دوسروں سے اول رکھتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں کو اپنے پر ترجیح نہ دیں تو کم سے کم اپنے برابر تو سمجھیں اور جو اپنے لیے چاہتے ہیں وہ اپنے بھائیوں کے لیے بھی چاہیں۔ دوسروں کے حق غصب نہ کریں، دوسروں کا مال نہ لوٹیں، دوسروں کی جان نہ لیں۔ کاش ہم ایسا کریں۔

(جولائی ۱۹۹۸ء)

خدمتِ خلق سب سے اچھا کام

اپنے کام کو تو ہر آدمی ہی کرتا ہے، لیکن اچھے آدمی دوسروں کے بھی کام آتے ہیں۔ ایسے آدمی زیادہ خوش رہتے ہیں اور خوش رہنے والے آدمی کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور وہ کام بھی زیادہ کرتا ہے۔ دوسروں کا کام کر کے جو اطمینان، جو سکون اور خوشی ہوتی ہے اس کا پورا اندازہ صرف اسی آدمی کو ہوتا ہے جو دوسروں کے کام آتا ہے۔

دوسروں کے کام آنے ہی کو خدمت خلق کہتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر کے، کسی اجنبی کے یا بہت سے لوگوں کے فائدے کے لیے کام آنے ہی کو خدمت خلق کہتے ہیں۔ یہ بھی بے شک خدمت خلق ہے، لیکن اپنے کسی عزیز،

کسی دوست، کسی ملنے والے کا کام بھی آپ کریں تو یہ بھی خدمت خلق ہی ہے۔

ہمارے پیارے آقا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدمت خلق کا بہترین نمونہ ہمیں دیا ہے۔ آپؐ ہمیشہ اپنوں، پرایوں، سب کی مدد کرتے تھے۔ دراصل آپؐ کی تو پوری زندگی ہی خدمت خلق سے عبارت ہے۔ ایک دن ہمارے آقاؐ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک نابینا عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ کچھ لوگ یہ دیکھ کر ہنسنے لگے، لیکن آپؐ کو بہت دکھ ہوا۔ آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپؐ نے اس عورت کو اٹھایا اور اس کے گھر تک پہنچایا۔ آپؐ کا یہ فرمان سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے :

"اللہ اس بندے کی مدد کرتا ہے جو دوسرے بندوں کی مدد کرتا ہے۔"

اگر ہم اس فرمان کو سمجھیں تو ہماری زندگی کتنی خوش گوار اور آسان ہو جائے، پھر ہر آدمی دوسرے آدمی کی مدد کے لیے تیار رہے گا۔ میں نونہالوں کو یہی مشورہ دوں گا کہ وہ یہ فرمان رسولؐ لکھ کر کسی ایسی جگہ لگا لیں جہاں روزانہ اس پر نظر پڑتی رہے اور وہ اس پر عمل کرنے لگیں۔ آج سے طے کر لو کہ روزانہ کم سے کم ایک اچھا کام کرو گے اور سب سے اچھا کام وہ ہے جو دوسروں کے لیے کیا جائے۔ (فروری ۱۹۹۱ء)

خوشی حاصل کرنے کا طریقہ

ہم جہاں دن رات اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور ان میں محنت کرتے ہیں وہاں اگر دوسروں کے کاموں میں بھی تھوڑا سا وقت دیں اور تھوڑی سی محنت کریں تو کتنا مزہ آئے۔ ان کو آسانی ہو اور ہمیں بھی خوشی ملے۔ شاید تمھارے دل میں یہ خیال آئے کہ دوسروں کے کام کرنے سے ہمیں خوشی کیسے ملے گی تو

تجربہ کرکے دیکھ لو۔ بعض وقت تو اپنے کام سے زیادہ کسی دوسرے کے کام آنے سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ خیال ہمیں لذت اور راحت بخشتا ہے کہ ہماری ذرا سی توجہ سے کسی کا کام آسان ہوگیا اور اس کو آرام ملا۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوسروں کے کام آتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے۔ آپؐ بچپن ہی سے لوگوں کے ہمدرد اور مددگار تھے۔ ایک بار آپؐ نے دیکھا کہ ایک بچہ سردی میں ٹھٹھرتا ہوا جارہا ہے۔ اس کے جسم پر گرم کپڑے بھی نہیں ہیں۔ آپؐ اس بچے کے قریب گئے اور اس کا حال پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ یتیم ہے اور غلام ہے۔ اس کا مالک اس پر بہت ظلم کرتا ہے۔ یہ سن کر آپؐ کے آنسو نکل آئے۔ آپؐ نے اسے کپڑا اڑھایا اور اس کو تسلی دی۔ دوسرے دن آپؐ نے پھر اسی بچے کو بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے جاتا دیکھا۔ آپؐ نے وہ بوجھ اپنے شانے پر رکھ لیا اور اس کی منزل تک پہنچا دیا اور اس سے فرمایا کہ: "اے بچے، محمدؐ کو اپنی تکلیف میں یاد کرلیا کر۔"

آپؐ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو فوراً اس کی مدد کرتے، اس کا ہاتھ بٹاتے اور اس کو تسلی دیتے۔ ہم بھی اگر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال پر عمل کریں اور ایک دوسرے کے کام آنے لگیں تو سب کے کام آسان ہو جائیں۔ ہمیں آپؐ کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص ضرورت کے وقت اپنے بھائی کے کام آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کے وقت اس کی مدد کرے گا۔

(مئی ۱۹۹۱ء)

ظالم اور مظلوم کی مدد

اچھے کام کرکے دل خوش ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کی تعریف کرتے

ہیں۔ یہ تعریف بھی وہی لوگ کرتے ہیں جو اچھے کام کی قدر کرتے ہیں۔ اچھے کام کی تعریف کرنا اصل میں اچھے کام کرنے والوں کی مدد ہے۔ جن لوگوں کو اچھے کاموں کی قدر نہیں وہ اچھے کام کرنے والوں کو اچھا نہیں کہتے۔

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہوں یا مظلوم۔ آپؐ کے ساتھیوں (صحابۂ کرامؓ) کو آپؐ کا یہ ارشاد سن کر حیرت ہوئی کہ مظلوموں کی مدد تو ٹھیک ہے، لیکن ظالم کی مدد کیوں کی جائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ظالموں کی مدد یہ ہے کہ انھیں ظلم سے روکا جائے۔

آپؐ کے اس فرمان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارا صرف یہی فرض نہیں ہے کہ اچھے کام کرنے والوں کی تعریف کریں، مدد کریں، بلکہ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ برے اور غلط کام کرنے والوں کو برائی سے روکیں، ان کو ڈرائیں، ان سے خوشی کا اظہار نہ کریں، ان کی مدد نہ کریں۔

آج جو برائیاں پھیل رہی ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم برا کام کرنے والوں کو نہیں روکتے، ان کو نہیں سمجھاتے، بلکہ ہم ان کی مدد کرتے ہیں۔ کس طرح؟ ہم ان کی مدد اس طرح کرتے ہیں کہ ان کے برے کاموں کو برا نہیں کہتے۔ ان سے ملتے جلتے رہتے ہیں۔ ان کی عزت کرتے ہیں۔

قرآن حکیم ہمیں حکم دیتا ہے کہ نیکی اور خیر کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔ اگر ہم سب اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے لگیں تو ہماری زندگی کتنی اچھی، کتنی آسان ہو جائے۔ اس کے بعد کوئی شخص برائی کرنے کی ہمت نہ کرے۔ اگر اتفاقاً کسی سے کوئی برا کام ہو بھی جائے تو وہ شرم کے مارے کسی کو اپنا منھ نہ دکھائے، لوگوں کے سامنے آنے سے ڈرے، لیکن آج یہ صورت ہے کہ برے اور غلط کام کرنے والے بڑی ڈھٹائی سے دندناتے پھرتے ہیں۔ ان حالات کی اصلاح صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ ہم

اچھے کام کرنے والوں کی تعریف اور مدد کریں' ان کا دل بڑھائیں اور برے کام کرنے والوں کو سمجھا کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کریں۔ (جون ۱۹۹۱ء)

بڑی اور پیاری بات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"اپنے بھائیوں کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہوں یا مظلوم"

آپؐ کے ساتھیوں (صحابۂ کرامؓ) نے عرض کیا : "مظلوموں کی حمایت کی بات تو سمجھ میں آگئی' لیکن ظالم کی حمایت کی بات ..." جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

"ظالموں کی مدد یہ ہے کہ انھیں ظلم سے روکا جائے۔"

نونہالو! غور کرو کہ ہمارے پیارے نبیؐ نے چند الفاظ میں کتنی بڑی بات سمجھا دی۔ یہ اتنی بڑی اور پیاری بات ہے کہ اگر ہم اس کو دل سے سمجھ لیں اور اس پر عمل کریں تو دنیا جنت بن جائے اور ہمارا پاکستان محبت کے ایک باغ کی طرح ہو جائے جس میں امن' سکون اور خوشی کے سوا کچھ نہ ہو۔ افسوس ہے کہ ہم حضورؐ کی اس ہدایت پر ذرا بھی عمل نہیں کرتے۔ مظلوم کی مدد نہیں کرتے۔ ظلم ہوتا ہوا دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ مظلوم صرف اسی کو نہیں کہتے جس کو مارا پیٹا جائے' بلکہ مظلوم وہ بھی ہے جس کا حق اسے نہ ملے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی کسی کام کا اہل ہو اور وہ کام اس کو نہ دیا جائے' بلکہ کسی نااہل کو دے دیا جائے تو وہ بھی مظلوم ہوا۔

جو لوگ کسی کا حق مارتے ہیں' کسی کا پیسہ کھا جاتے ہیں' کسی جان لے لیتے ہیں' کسی کا مال لے لیتے ہیں' کسی سے قرض لے کر ہونے کے باوجود واپس نہیں

کرتے، وہ ظالم ہیں۔ ان کاموں میں ان کی حمایت نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان کو ان کاموں سے روکنا چاہیے۔ ان کو سمجھانا چاہیے۔ اگر وہ نہ مانیں تو ان کو صاف بتا دینا چاہیے کہ تم ہمارے دوست نہیں ہو۔ (ستمبر ۱۹۹۸ء)

مسلمان ہونے کا تقاضا

قرآن حکیم کی سورۂ آل عمران میں ہے :

"تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔" (ترجمہ آیت ۱۳۹)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلبہ، برتری، فوقیت، ترقی اور عروج مسلمانوں کا حق ہے یعنی مسلمان کے لیے مغلوب ہونا ایک انوکھی سی بات ہے۔ اگر ہم واقعی مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر چلتے ہیں تو ہم غالب رہیں گے اور ہمیں کوئی مغلوب نہیں کر سکتا، لیکن سچے مسلمان ہونے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ تمام مسلمان آپس میں ایک ہوں، ایک جسم کی طرح متحد ہوں۔ کسی بڑے کام کے لیے انسانوں کا آپس میں ایک دل ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جو کام کئی آدمی مل کر کرتے ہیں اس میں آسانی بھی ہوتی ہے اور خوبی بھی اور اس کام کو انجام دینے میں مزہ بھی آتا ہے۔ جب ہم غور کرتے ہیں کہ آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی، لیکن مسلمان اس لحاظ سے اتنے غالب نہیں ہیں اور ان کی بات میں اتنا وزن نہیں ہے جتنا ہونا چاہیے تو ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے۔ دوسری قومیں ہمارے مقابلے میں زیادہ طاقت ور، زیادہ برتر، زیادہ معزز اور زیادہ زردار ہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ اللہ میاں نے تو وعدہ کیا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

جواب آسان ہے۔ ہم مسلمان تو بے شک ہیں، لیکن ہم میں بعض خامیاں

ہیں۔ سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے وہ محبت اور ہمدردی نہیں رکھتے جو رکھنی چاہیے۔ ہمیں اگر ہمارا مذہب عزیز ہے، تو اس مذہب کے ماننے والے بھی اتنے ہی عزیز ہونے چاہییں۔ یہ کیا بات ہے کہ مسلمان ہونے کی بنا پر ہم نقصان تو اٹھائیں اور دوسری قوموں کی مخالفت تو بھگتیں، لیکن مسلمان ہونے کے جو فائدے ہیں ان سے محروم رہیں۔ لہٰذا آج سے یہ عزم کر لو کہ ہم اپنے کسی مسلمان بھائی کو اگر فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہیں پہنچائیں گے۔ اس کو کوئی تکلیف نہیں دیں گے۔ چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو، کسی علاقے میں رہتا ہو، کیسا ہی لباس پہنتا ہو، وہ ہمارا بھائی ہے اور اس کی مدد کرنا، اس کو پریشانی سے بچانا ہمارا فرض ہے۔ سب مسلمان متحد اور متفق ہو جائیں تو دین اور دنیا کی تمام نعمتیں ان کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ (اکتوبر ۱۹۹۲ء)

ہم خیال ہم مقصد اپنے دوست

جب ہم کسی منزل کی طرف چلنے لگتے ہیں تو راستے میں جو آدمی بھی ہمیں ملتا ہے وہ ہمارا ساتھی اور ہم سفر ہوتا ہے اور ہمیں اس سے انس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی عقیدے، نظریے اور خیالات میں ہمارے ساتھ ہو اس سے بھی ہمیں انس اور خلوص ہونا چاہیے۔ مثال کے طور پر ہماری منزل پاکستان کی ترقی اور خوش حالی ہے تو جو شخص بھی اس مقصد کے لیے کام کرتا ہے وہ ہمارا دوست ہے، ہم اس کے ہمدرد ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کے ہر دوست کا خیال رکھیں، اس کا احترام کریں اور جہاں تک ہو سکے اس سے تعاون کریں۔ اس احترام اور تعاون سے اس کے دل میں بھی ہمارا احترام پیدا ہوگا اور وہ بھی ہم سے تعاون کرنے لگے گا، ہماری بھلائی چاہے گا، ہمیں اچھے مشورے دے گا اور اس

طرح سب پیار محبت سے رہ سکیں گے۔

اچھے مشوروں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر ہمارا کوئی دوست غلط کام کر رہا ہے تو ہم اس کو اس کام سے بچنے کا مشورہ دیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی برا اور غلط کام کر رہا ہے تو کرے، ہم بیچ میں کیوں بولیں، ہم کیوں برے بنیں، لیکن یہ سوچ ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں برائی کو برائی کہنا چاہیے تاکہ ہمارے بھائی کو یہ معلوم ہو جائے کہ لوگ اس کو اچھا نہیں سمجھتے اور وہ آئندہ ایسے کام نہ کرے۔ ہمیں اپنے بھائی کو برائی سے بچانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

اگر ہم میں سے ہر شخص برائی کو برائی کہنے لگے تو ہمارے ملک سے برائیاں یقیناً ختم ہو جائیں گی اور لوگ اچھے کام کرنے لگیں گے۔ (فروری ۱۹۹۳ء)

ایثار —— مسلمان کا خاصّہ

اخلاق کی بلندی اور انسان کے دل کی بڑائی یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی ضرورتوں اور حاجتوں کو اپنی ضرورتوں پر ترجیح دے۔ یہ ایثار ہے۔ یہ قربانی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے یہی چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے لیے ایثار کریں۔ اسی لیے مسلمانوں کا خاصہ رہا ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو بھول جاتے ہیں اور ایثار کر کے دوسروں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ دنیا میں اسلام کے پھیلنے اور اس کا بول بالا ہونے کی ایک وجہ یہی ایثار اور قربانی ہے۔ ایثار کرنے والی قوم اور دوسروں کے کام آنے والی قوم کو سب پسند کرتے ہیں اور وہ دنیا میں سربلند ہوتی ہے اور سرفراز ہوتی ہے۔ مسلمان کا دل بڑا ہوتا ہے۔ بڑے دل والے ہمیشہ کام یاب ہوتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے :

ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصۃ (الحشر۔ آیت ۹)

(وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں چاہے وہ اپنی جگہ خود ضرورت مند ہوں)

نونہالو! تم قرآن حکیم کی یہ آیت یاد رکھنا اور ہمیشہ اس کے مطابق عمل کرنا تاکہ تم بڑے انسان بن جاؤ تاکہ تم کو لوگ فراخ دل کہیں، تاکہ لوگ تمھاری تعریف کریں اور کہیں کہ تم نے دوسروں کو فائدہ اور آرام پہنچایا۔ جب تم ایسا کرو گے تو خود تمھارا دل مطمئن اور خوش ہو گا۔ یہ اطمینان اور مسرت مسلمان کی پہچان ہے۔ یہ تمھاری ہونی چاہیے۔

نونہالو! اس پر بھی غور کرو کہ آج ہم میں سے کتنے مسلمان اس پر عمل کرتے ہیں اور کتنے اس کے خلاف عمل کرتے ہیں اور یہ بھی سوچو کہ ہماری پریشانیوں کی یہی وجہ تو نہیں ہے؟ (مارچ ۱۹۹۳ء)

محبت کے حق دار بے سہارا نونہال

یہ برائی پاکستان میں نیز بہت سے غفلت میں پڑے ہوئے ایشیائی ممالک میں جاری و ساری ہے کہ رئیس اور امیر لوگ اپنے گھروں میں نونہالوں کو بہ طور گھریلو ملازم رکھتے ہیں۔ اکثر و بیشتر حالات میں ان معصوم نونہالوں سے جو کام لیے جاتے ہیں وہ بڑے افسوس ناک ہیں۔ ان نونہالوں کے ذمے دولت مندوں کے بچوں کو کھلانا، گھر کی صفائیاں کرنا، بازاروں سے سودا سلف خرید کر لانا وغیرہ شامل ہیں۔ معصوم نونہالوں سے ان کی غربت کے جرم میں امیر گھرانوں میں پست درجے کے کام کرانا بجائے خود قابل توجہ ہے، مگر اس سے زیادہ غیر ہمدردانہ رویہ یہ ہے کہ ان نونہال نوکروں کو تعلیم سے محروم رکھا جارہا ہے۔ امیروں اور رئیسوں کے جن بچوں کی یہ غریب نونہال خدمتیں کرتے ہیں وہ تو اعلا درجے کی تعلیم حاصل کر

رہے ہیں، مگر غریب نونہال تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔

ہونا یہ چاہیے کہ ان غریب نونہالوں کو اپنی اولاد سمجھا جائے اور ان پر تعلیم کے دروازے کھول دیے جائیں۔ ان کے ساتھ وہی ہمدردانہ اور مشفقانہ برتاؤ کیا جائے جو بڑے لوگ اپنے لاڈلے اور چہیتے نونہالوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کو اسی محبت بھری نظر سے دیکھا جائے جس سے دولت مند والدین اپنے پیارے بچوں کو دیکھتے ہیں۔ اگر ہم سب اس طرف توجہ کریں اور ان محنت کرنے والے بے سہارا نونہالوں کو اپنے بچوں کے برابر سمجھ لیں تو نہ صرف اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں گے، بلکہ یہ غریب نونہال بھی بڑے ہو کر قابل ہو سکیں گے اور ملک اور قوم کے لیے بوجھ بننے کے بجائے مفید ثابت ہوں گے۔

ہماری معمولی سی محبت ان کو بھی تعلیم کی دولت سے مالا مال کر دے گی۔

(اپریل ۱۹۹۵ء)

قابلِ فخر نونہال

اپنے اسکول کی یونی فارم میں چند نونہال اُچھلتے کودتے چلے جا رہے تھے۔ ان کی کمروں پر بھاری بستے بندھے ہوئے تھے۔ شوخیاں ان کے چہروں سے عیاں تھیں۔ ایک چوراہا آیا۔ ٹریفک سگنل لال تھا۔ سب گاڑیاں لال سگنل کے احترام میں رُکی ہوئی تھیں۔ ٹریفک سگنل کا احترام ان نونہالوں نے بھی کیا اور جب سگنل سبز ہوا تو سڑک کو پار کیا۔

مگر اس دوران نونہالوں نے اور ایک اور نونہال کو دیکھا۔ اس کے پیر ننگے تھے۔ کپڑے اُجلے نہ تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ننھے منے ہاتھوں میں پنسلیں تھیں۔ رُکی ہوئی موٹر کاروں کے پاس وہ نونہال آتا اور کہتا :

"سیٹھ! ایک پنسل خرید لیجیے۔ مجھے اپنی امی کے لیے آٹا خریدنا ہے۔ نہیں تو ہم بھوکے رہیں گے۔"

کسی موٹی توند والے بھرے پیٹ نے ایک پنسل نہ خریدی۔ خستہ حال نونہال کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ کئی نونہال جو اسکول یونی فارم پہنے اسکول جارہے تھے' انھوں نے اپنے جیسے نونہال کو دیکھا۔ محبت سے اس کے پاس گئے اور ہر نونہال نے ایک ایک پنسل خرید لی۔ خستہ حال نونہال خوش ہوگیا۔

(نومبر ۱۹۹۵ء)

نونہالوں میں مدد کا جذبہ

ایک بڑے میاں ہیں۔ ہاتھ میں لکڑی ہے۔ کمر جُھکی ہوئی ہے۔ منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ بھوک کے مارے' غربت ستائے' بے جان بڑے میاں سڑک پار کرنا چاہتے ہیں' مگر دولت مندوں اور پیٹ بھروں کی موٹر کاریں' موٹر سائیکلیں' رکشے اس کثرت سے ہیں کہ بڑے میاں سڑک پار کرنے کی ہمت کرتے ہیں' مگر ہمت بار بار ٹوٹ جاتی ہے۔

نوجوان عورت مرد سڑک پار کر جاتے ہیں۔ کم زور بڑے میاں کیسے ہمت کریں! ان کی ہمت ہے کہ جواب دے دے جاتی ہے۔

میرے وطن کے چند عظیم نونہالوں نے بڑے میاں کی مجبوری کو دیکھ لیا۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھے۔ ایک نے بڑے میاں کی لاٹھی پکڑی' دوسرے نے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ کئی نونہالوں نے ٹریفک کو ہاتھ دیے اور بڑے میاں کو سڑک پار کرا دی۔

بڑے میاں کا دل باغ باغ ہوگیا۔ ان کی دعاؤں سے وطن کے پھول مسکرا

اٹھے! دوسروں کی مدد کرنا یقیناً کارِ خیر ہے۔ اچھائی ہے۔
(جنوری ۱۹۹۶ء)

خاموش مدد عظمت کا کام

ایک نونہال سخت پریشان تھا۔ ہونے کو تو اسکول میں اس کے ماں باپ نے داخل کرا دیا تھا، مگر فیس ادا کرنے کی سکت نہ تھی۔ تین مہینے فیس داخل نہ ہوئی۔ نوٹس جاری ہوگیا کہ اگر فیس جمع نہ ہوئی تو نام کاٹ دیا جائے گا اور کتابوں کا بستہ لے لیا جائے گا۔

نونہال تھا پڑھنے کا شوقین، مگر ماں باپ کی غربت کا کیا کرتا۔ دل مسوس کر رہ گیا۔ اداس تھا اور پریشان۔ اس کی اداسی اور پریشانی کا حال آخر اس کے اسکول کے دوستوں پر کُھل گیا۔ نونہال کے اسکول کے چند دوستوں نے آپس میں بیٹھ کر سوچا اور پھر سب نے نہایت رازداری سے پیسے جمع کیے اور چپکے سے غریب نونہال کی فیس داخل کر دی۔

غریب نونہال صدر مُدرّس کو آخری سلام کرنے گیا۔ اس کا نام کٹ چکا تھا، مگر صدر مدرس نے بتایا کہ تمھاری فیس تو داخل ہو چکی ہے۔ تم کل کیوں نہیں آؤ گے؟

غریب نونہال حیران کھڑا صدر مدرس کا منھ دیکھتا رہ گیا۔ میری فیس کس نے جمع کرائی؟ میرے ابا نے تو کہہ دیا تھا کہ کل سے اسکول نہ جانا۔ میرے ساتھ کھیتوں میں کام کرنا۔

نونہال دوستوں نے اس راز کو راز رکھا۔ یہ بھی عظمت ہے کہ خاموشی سے مدد کی جائے۔ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی خبر نہ ہو۔ (فروری ۱۹۹۶ء)

ہمدردی ۔ دل کی خوشی کا باعث

آج کل ہماری زندگی میں کس چیز کی کمی سب سے زیادہ ہے؟

میرے خیال میں سب سے زیادہ کمی جس چیز کی ہے وہ ہے ہمدردی! آج کا انسان اپنے آپ میں مگن اور اپنے فائدے کے کاموں میں اتنا مصروف ہے کہ دوسروں کے لیے کچھ کرنے کی اس کو مہلت ہی نہیں ملتی' اسی لیے زندگی میں وہ مزہ نہیں ہے جو ہونا چاہیے۔ ہمدردی سے اس شخص کو تو فائدہ پہنچتا ہی ہے جس سے ہمدردی کی جاتی ہے' بلکہ ہمدردی کرنے والا انسان بھی نقصان میں نہیں رہتا۔ ہمدردی کرنے سے انسان کا دل خوش ہوتا ہے اور دل کی خوشی بہت بڑی نعمت ہے۔

قرآن حکیم کی سورۃ الحشر میں صحابۂ کرامؓ کی خوبی یہ بتائی گئی ہے :

"اور یہ لوگ دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں چاہے خود ضرورت مند ہوں۔" (ترجمہ آیت ۹)

آج ہمیں ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جو اپنی ضرورت روک کر دوسرے کی مدد کریں۔ خیر اتنی ہمدردی نہ سہی' لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں اتنا تو ضرور کرنا چاہیے کہ اپنی ضرورت سے جو کچھ زیادہ ہو اس سے اپنے بھائیوں کی مدد کریں۔ جہاں ہم اپنی خوشیوں کے لیے سب کچھ کرتے ہیں وہاں اگر کسی ضرورت مند کی خوشی کے لیے بھی تھوڑا سا خرچ کریں تو کیا ہمارا دل خوش نہیں ہوگا؟ ضرور ہوگا۔ تجربہ کرکے دیکھو۔

(دسمبر ۱۹۹۶ء)

بُرائی کو روکنے کے طریقے

ہم مسلمان ہیں۔ مسلمان کی حیثیت سے ہم پر دو ذمے داریاں ہیں : ایک تو یہ کہ ہم خود اسلام کے تقاضوں پر عمل کریں، اللہ کے احکام پر چلیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو اپنائیں۔ دوسری ذمے داری یہ ہے کہ ہم دوسروں کو اسلام کی تعلیم سے واقف کرائیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ سیلاب آئے تو صرف یہ نہیں کہ ہم اپنا دروازہ بند کرلیں اور خود کو محفوظ کرلیں، بلکہ مسلمان کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم سیلاب سے محفوظ رہنے میں دوسروں کی مدد بھی کریں۔

اس وقت ہم برائی کے سیلاب میں بری طرح گھرے ہوئے ہیں۔ خطرہ ہے کہ اگر سیلاب کو نہ روکا گیا تو یہ اور شدّت اختیار کرلے گا اور سب کو بہا کرلے جائے گا، اس لیے اس سیلاب پر بند باندھنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

برائی کے سیلاب کو روکنے کے لیے سب سے پہلے تو ہمیں خود برائی سے بچنا چاہیے، کوئی غلط کام نہیں کرنا چاہیے۔ خواہ ان سے ہمیں کتنا ہی فائدہ ہو، اپنی بری عادتوں کو چھوڑنا چاہیے۔ اچھی عادتیں اختیار کرنا چاہیے۔ کسی کا حق نہیں مارنا چاہیے۔

برائی کو روکنے کا دوسرا قدم یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو بھی برائی کے نقصانات بتانے چاہییں، برائی کے نتائج سے آگاہ کرنا چاہیے، کیوں کہ جب برائیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو ان کے نقصانات سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ دوسروں کو برائی سے روکنے میں لڑنے جھگڑنے کے بجائے پیار محبت سے کام لینا چاہیے، ان کو نرمی سے بتانا چاہیے کہ یہ برائی تمھیں اس وقت تو فائدہ پہنچا رہی ہے، لیکن آخر یہ تکلیف پہنچائے گی۔ اللہ اور رسول اللہؐ کے حکم کے خلاف چلنے میں کبھی کسی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ (مئی ۱۹۹۷ء)

ایک دوسرے کی مدد کارِ خیر ہے

اللہ میاں کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے، اتنی محبت کہ ماں باپ بھی اپنی اولاد سے اتنی محبت نہیں کرتے۔ اللہ میاں چاہتے ہیں کہ ان کے بندے بھی آپس میں محبت سے رہیں، شیر و شکر ہو کر رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں، ایک دوسرے کی مدد کریں، آپس میں نہ لڑیں۔

آپس میں مدد کرنے سے نہ صرف سب کو آرام ملے گا، بلکہ بھلائی کے اور نیکی کے کاموں میں بھی برکت اور ترقی ہوگی۔ مدد کرنے کا یہی مطلب ہے کہ اچھے کاموں میں مدد کی جائے، برے کاموں میں مدد نہ کی جائے۔ برے کاموں سے روکنا بھی مدد کرنا ہی ہے۔

برے کاموں میں مدد کرنا اچھی بات نہیں، بلکہ گناہ ہے۔ اگر تمھارا کوئی بھائی یا دوست برے کام کر رہا ہے اور تم اس کی مدد کر رہے ہو تو تم بھی گناہ کر رہے ہو۔ تمھارا فرض ہے کہ تم اسے برے اور غلط کاموں سے روکو اور برائی کے نقصانات بتاؤ۔

اگر کوئی آدمی اچھا اور نیک کام کرتا ہے تو اس کی مدد کرنی چاہیے، اس کا ساتھ دینا چاہیے، اس کی ہمت بڑھانی چاہیے، اس سے اپنی خوشی اور محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔

نیکی، بھلائی اور خیر کے کام اسی طرح ترقی کر سکتے ہیں اور بدی اور شر کی قوت اسی طرح ختم ہو سکتی ہے۔

(جولائی ۱۹۹۷ء)

مہذّب آدمی، سچّے مسلمان کی پہچان

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک حساس دل بخشا ہے۔ اگر کوئی اس سے مہربانی اور خوش اخلاقی سے پیش آئے تو وہ اس کا احسان مند رہتا ہے اور اگر اس کو ناحق برا بھلا کہا جائے یا اس کو ذلیل کیا جائے تو اس کے دل کے شیشے میں بال آجاتا ہے، اس کو چوٹ لگتی ہے اور وہ رہ رہ کر ٹیسیں محسوس کرتا ہے۔

عموماً بڑے آدمی چھوٹے کی، طاقت ور کم زور کی دل آزاری کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی چوٹ ہے جس کی آواز اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ یہ ایک ایسا زخم ہوتا ہے جو بھرتا نہیں۔ تلوار کا زخم بھر سکتا ہے، لیکن دل آزاری کا زخم نہیں بھرتا۔

ہمارے دین میں ظلم اور زیادتی کی پکڑ ہے اور بری نیت کی بھی پکڑ ہے۔ روز حساب دونوں کا احتساب اور سزا ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دل آزاری کرنے سے منع کیا ہے۔ ہماری روایات میں تو یہاں تک ہے کہ مظلوم کی آہ سات آسمانوں کو پار کر جاتی ہے۔

اگر انسان اس بات کو سوچے کہ یہ بھی ہماری طرح کا انسان ہے۔ اس کے جسم میں بھی اللہ تعالیٰ نے روح پھونکی ہے۔ اس کے جان و مال اور اس کی آبرو بھی محترم ہے تو پھر کسی قسم کی دل آزاری کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم دل آزاری کے بجائے لوگوں کی دل دہی کریں۔ ان کی مشکل میں کام آئیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا اور ہمیں ثواب ملے گا۔

دل آزاری سے بچنا تہذیب و شرافت کا بھی تقاضا ہے۔ مہذب آدمی تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ سچا مسلمان بھی وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا محفوظ ہو۔ بہ حیثیت انسان اور بہ حیثیت

مسلمان ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگوں سے ہمدردی کریں۔ مشکل میں ان کی مدد کریں۔ ان کی راہ سے کانٹے ہٹا دیں۔ (نومبر ۱۹۹۷ء)

بڑائی کا معیار

دنیا میں بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں، لیکن اب ہم بہت سوں کے نام بھی نہیں جانتے۔ ہاں، نام ان لوگوں کے باقی رہ جاتے ہیں جو کوئی اچھا کام کرتے ہیں۔ اچھے کام بھی بہت سے ہیں، لیکن صحیح معنوں میں اچھا کام وہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ فائدے بخش کام ہی یاد رکھے جاتے ہیں اور فائدہ پہنچانے والوں کو بھلایا نہیں جاتا۔ اس لیے بڑائی کا معیار ہے فیض پہنچانا اور نیکی کرنا۔

قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ تم میں وہی لوگ اللہ کے نزدیک بڑے ہیں جو تقویٰ والے ہیں یعنی اللہ سے ڈرتے ہیں، نیک ہیں، پرہیز گار ہیں، برائیوں سے بچتے ہیں، بھلائی کر کے خوش ہوتے ہیں، کسی کو آزار نہیں پہنچاتے، خدمت کرنے کے عادی ہیں، دھوکا نہیں دیتے، لوگوں کے کام آتے ہیں۔ احسان کرتے ہیں، مگر احسان جتاتے نہیں۔

غریب سے غریب آدمی بھی بڑا بن سکتا ہے۔ بڑائی کے لیے دولت کی ضرورت نہیں، حکومت کی ضرورت نہیں۔ بس ایک چیز کی ضرورت ہے۔ وہ ہے اچھے اخلاق۔ اوپر جو باتیں بتائی گئی ہیں وہ سب اعلا اور اچھے اخلاق میں شامل ہیں۔ ان کو اختیار کر لو، بڑے بن جاؤ گے۔ اس میں تمھارا بھی فائدہ ہے اور پاکستان کا بھی۔ پاکستان کو ایسے ہی انسانوں کی ضرورت ہے جو اخلاق و کردار کا اچھا نمونہ پیش کریں۔

(اکتوبر ۱۹۸۵ء)

ایسی دولت کوئی نہیں چھین سکتا

اگر تم باتیں دل چسپ اور مزے دار کرتے ہو تو لوگ تم سے خوش ہوں گے۔ اگر تم اچھے کپڑے پہنتے ہو تو لوگ تمھیں پسند کریں گے۔ اگر تمھاری آواز اچھی ہے، تمھاری صورت اچھی ہے تو یہ اللہ کا احسان ہے اور اس سے بھی تمھاری مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن اس سے بڑھ کر بھی ایک دولت ہے۔ یہ دولت اگر تمھارے پاس ہے تو کہنا چاہیے کہ دنیا کی تمام دولت تمھارے پاس ہے۔ یہ دولت ہے تمھاری اچھی سیرت، اچھے اخلاق اور اچھا کردار۔

عادتوں کے مجموعے کو کردار کہتے ہیں۔ عادتیں اچھی ہوں گی تو کردار بھی اچھا ہوگا۔ جھوٹ بولنے کی عادت ہوگی تو کردار بھی کم زور ہوگا۔ جھوٹے آدمی پر لوگ بھروسہ نہیں کرتے۔ وعدہ پورا نہ کرنے کی عادت بھی انسان کو ذلیل کرواتی ہے۔ سچے آدمی کی ہر ایک قدر کرتا ہے۔ وعدے کی پابندی کرنے والے سے سب خوش ہوتے ہیں۔ ہمدردی، رحم، تعاون اور انصاف سے کردار میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔ اس بلندی پر چڑھنے میں وقت تو لگتا ہے، لیکن جو چڑھ جائے اس کے کیا کہنے۔ وہ ایسی دولت کا مالک ہو جاتا ہے جو کوئی چھین نہیں سکتا۔

کردار ہی انسان کو عظیم بناتا ہے۔ اگر انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھے اور معمولی فائدے کے لیے اپنی عادتوں کو خراب نہ کرے، تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچائے تو لوگ اس کی دل سے عزت کرتے ہیں، اس کو اچھے نام سے پکارتے ہیں، اس کو محبت سے یاد کرتے ہیں جس سے انسان کو سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ (اپریل ۱۹۸۷ء)

اپنی غلطی کو تسلیم کرنا بہادری ہے

انسان غلطی کا پُتلا ہے، اس لیے اچھے سے اچھے انسان سے کسی نہ کسی وقت، کسی نہ کسی کام میں غلطی ہو جاتی ہے، لیکن صحیح معنی میں اچھا انسان وہ ہے جو اپنی غلطی مان لے۔ بعض لوگوں کی، بلکہ زیادہ تر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنی غلطی نہیں مانتے اور اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ حالات ایسے تھے کہ میں مجبور تھا۔ یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں، کتنی ہی مجبوری کے تحت غلطی کی گئی ہو، غلطی جب ہوگئی تو اسے ماننا چاہیے۔ غلطی ماننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو احساس ہو جائے اور اس سے آئندہ غلطی نہ ہو۔ جو شخص غلطی کرتا ہے، مگر اس کو تسلیم نہیں کرتا، وہ ایک کم زور انسان ہے۔

غلطی کو تسلیم کرنا بہادری ہے اور ایک بہت بڑی اخلاقی خوبی ہے۔ کوئی دوسرا شخص اگر غلطی کرے اور اس سے تمھیں تکلیف پہنچے تو اس کو معاف کر دو۔ اس کو عفو کہتے ہیں۔ درگزر کرنے والا انسان بڑی عزت کا مستحق ہوتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اور اسے پسند کرتے ہیں، لیکن اپنی غلطیوں کو کبھی معاف نہ کرو۔ اگر کوئی شخص بتائے کہ تم نے یہ غلطی کی ہے تو اس پر غور کرو اور اس شخص کا کہنا صحیح ہو تو فوراً مان لو، زبان سے بھی اور دل سے بھی اور کوشش کرو کہ دوبارہ غلطی نہ ہو۔

غلطی کو ماننے میں شرم ضرور آتی ہے، لیکن غلطی نہ ماننے سے جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور انسان کے اخلاق میں جو کم زوریاں پیدا ہو جاتی ہیں وہ اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس سے بچنے کے لیے تھوڑی سی شرم برداشت کر لینی چاہیے۔

(ستمبر ۱۹۹۲ء)

بڑائی کا راز

نونہال اسکول جاتا تھا۔ نونہال کی محترم ماں محبتوں سے سرشار تھی۔ وہ اپنے نونہال کو ناشتے دان دیتی تاکہ وقفے میں وہ بھوکا نہ رہے' ایک انڈا اور ایک ڈبل روٹی کا ٹکڑا اور ایک سیب روز کھا لیا کرے' مگر ماں محبت کی آنکھوں سے دیکھتی کہ اس کا نونہال کم زور رہتا ہے۔ اسکول سے آتا ہے تو اس کا ناشتے دان خالی ہوتا ہے' مگر گھر آکر وہ روٹی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

نونہال کے اسکول کے راستے میں ایک باغیچہ پڑتا تھا۔ اس کے دروازے پر ایک غریب نونہال ہاتھ پھیلائے بیٹھا رہتا تھا۔ بھیک مانگتا تھا۔ ایک دن ماں نے اپنے نونہال کا چپکے سے پیچھا کیا کہ دیکھے وہ اسکول کیسے جاتا ہے' کیا کرتا ہے۔ نونہال باغیچے سے گزرا۔ دروازے پر بھیک مانگتے نونہال کے پاس بیٹھا۔ اس نے اپنا ناشتے دان کھولا۔ انڈا' توس اور سیب اس نونہال کو دے دیا اور اسکول چلا گیا۔

ماں اپنے نونہال کا یہ عمل دیکھ کر حیران ہوگئی۔ اس کے بھوکا رہنے کا راز جان گئی' مگر نہال ہوگئی کہ اس کا نونہال کس قدر عظیم ہے۔ (دسمبر ۱۹۹۵ء)

خسارے سے نکلنے کا راستہ

آج قرآن حکیم کی سورۂ العصر کا ترجمہ پڑھو :

"زمانے کی قسم' بلاشبہ انسان بڑے گھاٹے میں ہے' ہاں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور صبر کی تلقین کی۔"

یہ صرف تین آیتیں ہیں' لیکن ان پر غور کریں تو ان میں سمجھنے والوں کے

لیے بہت کچھ ہے' بلکہ سب کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت مختصر الفاظ میں انسان کو گھاٹے اور خسارے سے نکلنے کا راستہ بتا دیا ہے اور بھلائی' کام یابی' سعادت اور سکون حاصل کرنے کی راہ دکھا دی ہے۔

ایمان کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی بات کی سچائی پر تمھیں یقین نہ ہو تو تم اس بات کو نہ مانو گے اور نہ اس پر عمل کرو گے۔ گویا یقین اور ایمان کے بغیر دنیا میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اس میں پکے ہوتے ہیں وہی لوگ دین اور دنیا کے کام کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اچھے کام کرتے ہیں وہ بھی نقصان میں نہیں رہتے' فائدے میں رہتے ہیں' خوش رہتے ہیں۔ نیک اعمال یا اچھے کام انھیں کہتے ہیں جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہوں اور جو اللہ کے بندوں کے لیے فائدے مند ہوں' ان کی بھلائی کے لیے ہوں۔ اچھے اعمال کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کو' اپنے عزیزوں کو' دوستوں کو' جاننے والوں کو حق پر قائم رہنے کی نصیحت کرے' صحیح مشورے دے' بھلائی کرنے پر آمادہ کرے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی جائے۔ بے صبری سے اکثر کام بگڑ جاتے ہیں۔ بعض لوگ اچھے کام کرنے کے بعد ان کا نتیجہ جلد نہ نکلے تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں' اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں اور ان کو بے صبری نہ کرنے دیں۔ (جون ۱۹۹۷ء)

انکساری بڑی خوبی ہے

شیخی' غرور' تکبّر' بڑائی' گھمنڈ' اترانا' کیا یہ باتیں اچھی ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہر

سمجھ دار آدمی کہے گا کہ نہیں، یہ تو اچھی باتیں نہیں ہیں۔ ان سب الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عیب ہیں اور جس آدمی میں یہ باتیں ہوں وہ اچھا آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ شاید وہ اچھا ہو، لیکن وہ اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

اچھا آدمی وہ ہے جس میں ان باتوں کے برعکس انکسار ہو، عاجزی ہو، فروتنی ہو، سادگی ہو۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ سب آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ میاں نے مٹی سے بنایا تھا، اس لیے کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ ہاں، بڑائی چھوٹائی کا فرق ہے تو وہ نسل کی وجہ سے نہیں ہے، خاندان کی وجہ سے نہیں ہے، علاقے یا ملک کی وجہ سے نہیں ہے، زبان اور رنگ کی وجہ سے نہیں ہے اور دولت کی وجہ سے بھی نہیں ہے۔ فرق اگر ہے تو اخلاق کی وجہ سے ہے۔ جس آدمی کے اخلاق اچھے ہیں وہ بڑا ہے۔ جس آدمی کے اخلاق اچھے نہیں وہ چھوٹا ہے۔ اخلاق اچھے ہونے کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ تکبر، غرور اور گھمنڈ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا سمجھتا ہے اور ایسا سمجھنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔ ایسا نہ سمجھنا بہت بڑی خوبی ہے، لہٰذا جو آدمی غرور نہیں کرتا، اپنے کو بڑا نہیں سمجھتا وہی بڑا آدمی ہے۔ خوبی تو یہی ہے کہ آدمی بڑا ہو، مگر اپنے کو بڑا نہ سمجھے۔ انکسار اور عاجزی اسی کو کہتے ہیں۔ (اپریل ۱۹۸۵ء)

تکبّر۔۔ بُرائیوں کی جڑ

ہر انسان اپنے کو اچھا سمجھتا ہے۔ بعض لوگ اپنے کو بڑا بھی سمجھتے ہیں۔ اپنے مقابلے میں دوسروں کو چھوٹا یا حقیر سمجھتے ہیں۔ اپنے کو اچھا سمجھنا کسی حد تک تو فطری ہے، لیکن بڑا سمجھنا اور دوسروں کو کم سمجھنا اچھا نہیں ہے۔ اس کو

تکبرؔ کہتے ہیں۔ تکبرؔ سے انسان میں دوسری برائیاں اور اخلاقی عیب بھی پیدا ہوتے ہیں۔ انسان کے دل میں دوسروں کی محبت اور عزت ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں میں نامقبول ہو جاتا ہے۔ تکبرؔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کو بھی پسند نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس شخص کے دل میں ذرا بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"

ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہر شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، تو کیا یہ چیز بھی تکبر ہو گی؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگوں کو حقیر و ذلیل سمجھنا تکبر ہے۔"

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنی بڑائی پسند نہیں تھی۔ کوئی موقع ہوتا تو آپؐ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے۔ ساتھی عرض کرتے کہ آپؐ تکلیف نہ فرمائیں تو فرماتے کہ مجھے یہ بات گوارہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو تم سے الگ سمجھوں۔

اگر کبھی دل میں اپنی بڑائی کا خیال پیدا ہو تو اس خیال کو دل سے فوراً نکال دو۔ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے۔ رسول اللہؐ کی سیرت اور بزرگوں کے حالات پڑھنے سے دل سے تکبر اور دوسری اخلاقی برائیاں دور ہوتی ہیں۔

(اکتوبر ۱۹۸۸ء)

بڑا وہ جسے دوسرے بڑا کہیں

بڑے لوگ کون ہوتے ہیں؟

سچّے بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگوں

کو دوسرے لوگ تو بڑا کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں، لیکن وہ خود کو بڑا نہیں سمجھتے۔ خود کو بڑا سمجھنا تکبر کہلاتا ہے۔ تکبر بہت بڑی اخلاقی برائی ہے۔ جو آدمی تکبر میں مبتلا ہوتا ہے وہ خود ہی اپنی بڑائی کا انکار کرتا ہے، کیوں کہ بڑا وہ ہے جس کو دوسرے بڑا کہیں۔ بڑا وہ نہیں ہے جو خودکو بڑا سمجھے اور دوسروں کو چھوٹا سمجھے۔

تکبر کے مقابلے میں انکسار ایک خوبی ہے۔ انکسار یا عاجزی انسان کو چھوٹا بنانے یا لوگوں کی نظروں میں گرانے کے بجائے بڑااور عظیم بناتی ہے۔ انکسار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بڑا ہونے کے باوجود خود کو چھوٹا سمجھے اور اپنی کسی بات یا اپنے کسی عمل سے دوسروں پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرے، بلکہ وہ دوسروں کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑا سمجھے۔

اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآن حکیم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے :

"اللہ تعالیٰ ہر تکبر کرنے والے اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔"

(غافر، آیت ۳۵)

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو تین چیزوں سے بالکل بچا رکھا تھا : ایک جھگڑا، دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور فضول کام۔

جو شخص تکبر کرتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں اپنے آپ کو اونچا نہیں کررہا ہے، بلکہ نیچا کر رہا ہے۔ سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں کی عزت کرے، ان کو حقیر نہ سمجھے۔ ہر انسان عزت کے قابل ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ صرف وہ لوگ بڑے اور عزت کے قابل ہیں جو نیک ہیں اور اخلاق والے ہیں۔ (مارچ ۱۹۹۷ء)

ایک خراب عادت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے کی چیز کا خیال نہیں کرتے۔ چاہے اپنا فائدہ ہو نہ ہو' وہ کسی چیز کو بغیر کسی مقصد کے توڑ پھوڑ دیتے ہیں۔ بعض بچے (اور بڑے بھی) کسی باغ یا پارک میں جاتے ہیں تو پودوں اور پھولوں کو نوچ کر پھینک دیتے ہیں۔ کسی کی دیوار پر لکھ دیتے ہیں۔ کسی کی کھڑکی پر پتھر مار کر شیشہ توڑ دیتے ہیں۔ کسی سائیکل یا موٹر کی ہوا نکال دیتے ہیں۔ کسی کے گھر کی گھنٹی بجا کر بھاگ جاتے ہیں۔ سڑک پر کیلے کے چھلکے ڈال دیتے ہیں اور جب کوئی راہ گیر ان کی وجہ سے پھسل کر گر پڑتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟ مجھے یقین ہے تم کہو گے کہ ایسے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ صحیح ہے۔ ایسے لوگ چاہے اچھے ہوتے ہوں' یعنی ان میں دوسری خوبیاں ہوتی ہوں' لیکن ان کی یہ عادت یقیناً خراب ہے۔

انسان کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکے تو نقصان بھی نہ پہنچائے۔ اوّل تو ہر آدمی کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ دوسروں کے فائدے کے لیے بھی کوئی نہ کوئی کام ضرور کرے۔ جس طرح وہ اپنی بھلائی کے لیے ہر وقت سوچتا اور عمل کرتا ہے اسی طرح اپنے بھائیوں' دوستوں' ساتھیوں' پڑوسیوں' بزرگوں کے لیے تھوڑی بہت ضرور کوشش کرے۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اچھا انسان اچھے کام کرتا ہے' اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔

(مارچ ۱۹۸۶ء)

اچھا انسان سب کا دوست

اپنے متعلق سب ہی اچھا خیال رکھتے ہیں۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو برا نہیں سمجھتا۔ اپنے بعد اپنے گھر والوں کو، اپنے شہر والوں، اپنے علاقے والوں کو اور پھر اپنے ملک والوں کو اچھا سمجھنا عام بات ہے۔ اس میں کوئی ہرج بھی نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ دوسروں کو برا نہ سمجھیں۔ اپنے کو اچھا سمجھنے کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ دوسروں کے متعلق خیالات خراب ہو جائیں۔ اچھائی کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوسروں کو بھی اچھا سمجھیں اور کہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اچھائی اور خوبی صرف اسی کے یا اس کے علاقے کے لوگوں میں ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ایسے خیالات رکھنے والے کی خود اپنی اچھائی میں شبہ ہے۔ اچھے برے لوگ ہر جگہ اور ہر علاقے میں ہیں اور ہر زبان بولنے والوں میں ہیں، اس لیے ہونا یہ چاہیے کہ اچھا انسان جہاں کا بھی ہو اس کی تعریف کی جائے، اس کی قدر کی جائے، اس کی عزت کی جائے، ضرورت ہو تو اس کی مدد بھی کی جائے۔

کسی آدمی کو صرف اس وجہ سے برا سمجھنا کہ وہ تمھاری برادری کا نہیں ہے، تمھاری زبان نہیں بولتا، تمھارے شہر کا رہنے والا نہیں ہے، بڑی نا انصافی ہے۔ نا انصافی بہت بڑی بد اخلاقی ہے۔ کسی کو اس کے جائز حق سے محروم کرنا ظلم ہے۔ یہ ظلم کرنے والا اچھا آدمی نہیں ہوتا۔

ہر انسان عزت کے قابل ہے۔ ہر مسلمان محبت کے قابل ہے۔ اچھے انسان سب سے محبت کرتے ہیں۔ سب کو دوست سمجھتے ہیں۔

(جون ۱۹۸۷ء)

وعدے کی پابندی اعلا اخلاقی خوبی

انسان کی سب سے خراب عادتوں میں وعدہ پورا نہ کرنے کی عادت بھی شامل ہے۔ تم نے وعدہ کرلیا کہ میں کل آپ کا کام کردوں گا' لیکن کیا نہیں تو تم نے جس سے وعدہ کیا تھا اس کو کتنی تکلیف ہوئی۔ اس سے بہتر تھا کہ وعدہ کرتے ہی نہیں۔ بعض لوگ زبردستی وعدہ لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وعدہ کرو کہ میرا یہ کام کردو گے۔ مروّت والے لوگ وعدہ کرلیتے ہیں ' لیکن یہ مروّت بھی اچھی نہیں۔ اگر تم وہ کام ہی کرنا نہیں چاہتے تو صاف کہہ دو میں نہیں کروں گا۔ لیکن تم کرنا تو چاہتے ہو' لیکن سمجھتے ہو کہ کام پورا ہونا مشکل ہے تو صرف کوشش کرنے کا وعدہ کرو اور پھر واقعی کوشش کرو۔

وعدہ کرنے سے اعتبار قائم ہوتا ہے۔ تم نے کسی سے کوئی وعدہ کیا اور پورا کیا تو اس کو تم پر اعتماد ہوگیا کہ یہ آدمی سچا ہے اور وعدہ پورا کرتا ہے۔ اگر سب لوگ اسی طرح سچے وعدے کرنے لگیں تو زندگی میں بڑی سہولت ہو جائے اور ہر آدمی اطمینان سے زندگی گزارے۔

وعدے کی پابندی اعلا اخلاقی خوبیوں میں سے ہے اور وعدے کا پابند شخص بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ذرا سوچو کہ وعدے کی پابندی سے کتنا سکون ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا تو ہمیں کتنی تکلیف' کتنی پریشانی ہوتی ہے۔ ہمارا دین بھی وعدے اور معاہدے کی پابندی کی سخت تاکید کرتا ہے۔ ایک اچھا مسلمان ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ سورۂ النحل کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

"جب تم اللہ سے کوئی عہد کرو تو اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔"

(نومبر ۱۹۹۱ء)

بہت اچھے بنو

خود غرضی بری چیز ہے۔ خود غرض آدمی کو کوئی اچھا نہیں کہتا۔ بے غرض اور مخلص آدمی کی سب قدر اور عزت کرتے ہیں۔

خود غرضی کیا ہے؟ کیا خود غرضی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی بالکل بے غرض ہو اور وہ صرف دوسروں کے لیے ہی کام کرتا رہے؟ یہ تو ناممکن ہے۔ کوئی انسان دنیا میں ایسا نہیں ہوگا جو اپنی ذات سے بے نیاز ہو۔ انسان کو اپنے لیے بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔

بے غرضی اور خلوص کا مطلب یہ ہے کہ انسان صرف اپنے فائدے کی ہی نہ سوچے۔ اپنی غرض پوری کرنے کے لیے دوسروں کا نقصان نہ کرے، بلکہ جہاں تک ہوسکے دوسروں کے کام آئے۔

جس آدمی کو خود غرض کہا جاتا ہے وہ آدمی صرف اپنی بھلائی چاہتا ہے، اپنے فائدے کے لیے دوسروں کا نقصان کر دیتا ہے۔ وہ اپنی غرض کے آگے کچھ نہیں سوچتا۔ اپنے عزیزوں، دوستوں، ساتھیوں کے بالکل کام نہیں آتا۔

وہ لوگ تو بہت ہی اچھے ہوتے ہیں جو اپنا نقصان کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں، اپنا کام چھوڑ کر دوسروں کے کام آتے ہیں، لیکن جو لوگ اپنا کام بھی کرتے ہیں اور وقت پر دوسروں کے کام بھی آتے ہیں وہ بھی اچھے ہوتے ہیں۔ بہت اچھا ہونا تو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، لیکن اچھا بننے کی تو ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے یعنی اپنا نقصان نہ کر کے یا تھوڑا بہت نقصان کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچانا۔

نونہالو! کوشش کرو کہ بہت اچھے بنو، لیکن کم سے کم اچھے تو ضرور کہلاؤ۔

(نومبر ۱۹۹۴ء)

والدین کی خدمت کامیابی کی ضمانت

دنیا میں آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا' اسی لیے اس کو سماجی حیوان کہا گیا ہے۔ انسان کو قدم قدم پر دوسرے انسانوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے' لیکن ماں باپ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سچا ہمدرد' غم خوار' بھلائی دینے والا اور کام آنے والا نہیں ہو سکتا۔ ذرا سوچو' کسی دوسرے کے بچے کو تھوڑی دیر ہی برداشت کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے' لیکن ماں باپ بچپن سے لے کر جوان ہونے تک جس طرح ہر وقت' ہر لمحے اولاد کی دیکھ بھال' خدمت اور نگرانی کرتے ہیں وہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ راتوں کو جاگنا' دن بھر مستعد رہنا' گرمی' سردی' برسات ہر حال میں خدمت کرنا' اپنی ضرورت کی پروا نہ کر کے بچے کے آرام اور راحت کا خیال رکھنا' اپنے پاس ہو نہ ہو بچے کی ہر ضرورت پوری کرنا' اس کے لیے اچھی سے اچھی چیز مہیا کرنا' یہ سب صرف اور صرف ماں باپ ہی کر سکتے ہیں۔ اسی لیے ماں باپ کی اطاعت اور خدمت بھی ہم پر فرض کی گئی ہے اور ان سے حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ ہادی اعظم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! میں کس کے ساتھ اچھا سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا "اپنی ماں کے ساتھ۔" دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپؐ نے پھر فرمایا "اپنی ماں کے ساتھ۔" صحابیؓ نے تیسری بار پھر عرض کیا کہ اس کے بعد پھر کس کے ساتھ اچھا برتاؤ کروں؟ آپؐ نے کا ارشاد پھر وہی تھا کہ اپنی ماں کے ساتھ۔ چوتھی بار بھی جب یہی سوال دہرایا گیا تو آپؐ کا جواب تھا "اپنے باپ کے ساتھ' پھر جو زیادہ قریب ہو' اس کے بعد درجہ بہ درجہ جو قریب ہو۔" رسول اکرمؐ کے اس ارشاد

سے ماں باپ خاص طور پر ماں کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ماں کے پیر کے نیچے جنت ہے۔ جو نونہال ماں باپ کا کہنا مانتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں وہ کام یاب اور خوش رہتے ہیں۔

(اگست ۱۹۸۵ء)

ماں کا مرتبہ

ماں ایک نعمت ہے، عظیم نعمت۔

ماں ایک سائبان ہے جس کے نیچے انسان کو سکون، راحت اور حفاظت میسر آتی ہے۔

ماں ایثار اور قربانی کا مجسمہ ہے۔

ماں بے غرض خدمت کی علامت ہے۔

ماں محبت ہے، سراپا محبت۔

ماں روشنی کا ایک منارہ ہے۔

ایک بار ایک صحابیؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟"

حضورؐ نے دریافت فرمایا :

"کیا تمھاری ماں زندہ ہے؟"

صحابیؓ نے عرض کیا : "جی نہیں، میری ماں زندہ نہیں ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا :

"کیا تمھاری خالہ زندہ ہے؟"

صحابیؓ نے عرض کیا:

"جی ہاں، میری ایک خالہ موجود ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تو خالہ کی خدمت کرو، ان سے اچھا سلوک کرو، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمھاری توبہ قبول کرلے گا اور تمھیں معاف فرمادے گا۔"

حضورؐ کے اس فرمان سے ماں کے مرتبے کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

(اپریل ۱۹۹۸ء)

والدین کی خدمت جہاد سے افضل

بزرگوں، عزیزوں، دوستوں اور ساتھیوں کا خیال رکھنے، ان کی بات ماننے اور ان کے کام آنے سے ہی آپس کے تعلقات خوش گوار رہتے ہیں، اس لیے ہر انسان کو دوسرے انسان کے کام آنا چاہیے، لیکن سب سے زیادہ اور سب سے پہلا حق ماں باپ کا ہے۔ ماں باپ کی اطاعت اور خدمت ہم پر فرض ہے۔ جب ہم چھوٹے ہوتے ہیں تو وہ ہماری خدمت کرتے ہیں، ہمیں پالنے کے لیے راتوں کو جاگتے ہیں اور ہم بیمار ہوتے ہیں تو وہ پریشان ہوتے ہیں۔ اگر وہ خود بھی بیمار ہوں تو وہ اپنا خیال نہیں کرتے، بلکہ ہماری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ہمیں اچھے سے اچھا کھلاتے ہیں، اچھا پہناتے ہیں۔ اچھی تعلیم دلاتے ہیں۔ اگر ہم بڑے ہو کر ان کی خدمت نہ کریں، ان کا احترام نہ کریں، ان کا کہنا نہ مانیں تو یہ کتنی ناانصافی، بلکہ ظلم ہوگا۔

ہر شریف انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی ہر بات کا خیال رکھے، خاص طور پر جب وہ بوڑھے اور کم زور ہو جائیں تو ان کو کوئی تکلیف

نہ ہونے دے۔ اگر وہ کوئی غلط بات بھی کہیں تو جواب نہیں دینا چاہیے' بلکہ خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا بھی حکم یہی ہے اور ہمارے رسولؐ کا بھی یہی ارشاد ہے۔ والدین کی خدمت عبادت کے برابر ہے اور ایسی عبادت ہے جو جہاد سے بھی افضل ہے۔ خاص طور پر بوڑھے والدین کی خدمت تو بہت بڑی نیکی ہے' بلکہ میں یہ کہوں گا کہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ بڑھاپے میں انسان دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے' اس لیے اس وقت سہارے اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیک اولاد اپنے ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا ہوتی ہے۔

(نومبر ۱۹۸۶ء)

اچّھے سلوک کے حق دار

اچھا سلوک' اچھے انسان کی پہچان ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے' اس سے محبت رکھتا ہے وہ انسانوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ ان سے اچھا برتاؤ کرتا ہے' ان کو تکلیف نہیں پہنچاتا' ان کے کام آتا ہے۔

اچھا انسان ہر ایک سے اچھا سلوک کرتا ہے' لیکن اسے خاص طور پر ماں باپ سے اور اپنے رشتے داروں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۸۳ میں ارشاد باری ہے :

"والدین سے اور رشتے داروں سے اور یتیموں سے اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرو۔" (ترجمہ)

سب سے بڑا رتبہ ماں باپ کا ہے اور ماں باپ سب سے زیادہ اچھے برتاؤ کے حق دار ہیں۔ اچھے برتاؤ کا مطلب یہ ہے کہ ان سے اچھی طرح' اچھے الفاظ میں' نرم لہجے میں' میٹھی زبان میں اور نیچی آواز سے بات کی جائے۔ ان

کی بات توجہ سے سنی جائے۔ ان کا کہنا مانا جائے۔ ان کے حکم کے خلاف نہ کیا جائے۔ ان کی مرضی سمجھی جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی جائے۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔ اگر وہ بوڑھے ہوں تو ان کی صحت کا خیال رکھا جائے' ان کے کھانے پینے میں ان کی پسند ناپسند کا لحاظ رکھا جائے۔ ان کو ان کی خواہش کے مطابق لباس مہیا کیا جائے۔ غرض ان کے آرام اور سکون کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔

(اکتوبر ۱۹۹۶ء)

فرض اور حق لازم و ملزوم ہیں

انسان کو اس کا حق نہ ملے تو اس کو کتنی تکلیف ہوتی ہے اور آج کل تو حق حقوق کی بات بہت ہی ہونے لگی ہے۔ حقوق نہ ملنے کی شکایت عام ہے۔ ہر طبقہ اور ہر جماعت حقوق کی بات کرتی ہے۔ ہر لیڈر عوام کو حقوق دلوانا چاہتا ہے' لیکن خود دوسروں کے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا۔ یہ بات کسی خاص گروہ میں ہی نہیں ہے' بلکہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق تو مل جائیں' لیکن اس کو کسی کا حق نہ دینا پڑے۔ مثلاً ایک مزدور یہ چاہتا ہے کہ اس کو مزدوری تو بہت اچھی ملے' لیکن اس کے بدلے میں وہ کام دل لگا کر اور محنت سے نہ کرے۔ اسی طرح مزدور سے کام لینے والا چاہتا ہے کہ مزدور تو کام محنت سے کرے' لیکن اس کو مزدوری کم دینی پڑے یعنی مزدور کا حق خوشی سے دینا نہیں چاہتا۔ اس مثال سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ ایک کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے۔ مزدور کا حق یعنی اس کی مزدوری دینا' کام کرانے والے کا فرض ہے۔ جب تک مالک اپنا فرض ادا نہیں کرے گا' مزدور کو اس کا حق نہیں ملے

گا۔ اسی طرح مالک کا حق یہ ہے کہ اس کا کام اچھی طرح کیا جائے۔ یہ مزدور کا فرض ہے۔ جب تک مزدور اپنا فرض ادا نہیں کرے گا' مالک کو اس کا حق نہیں ملے گا۔ اسی طرح ہر معاملے میں ہے۔ کسی کا حق' کسی کا فرض۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ہم میں سے ہر ایک اپنا فرض ایمان داری اور خلوص سے ادا کرنے لگے تو ہر ایک کو اس کا حق ملنے لگے۔ اس لیے ہمیں اپنا حق مانگنے اور حق نہ ملنے کی شکایت کرنے کے بجائے اپنا فرض ادا کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اپنا فرض ادا کرو' دوسروں کا حق ان کو دو۔ دوسرے اپنا فرض ادا کریں گے اور تمھارا حق دیں گے۔ کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔

(مارچ ۱۹۸۷ء)

ایک مسلمان کے دوسرے پر چھے حقوق

ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان کی خیر خواہی دوسرے مسلمان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی بھلائی چاہتا ہے۔ ایک بھائی سے دوسرے بھائی کو مدد ملتی ہے' نقصان نہیں پہنچتا۔ بھائی کو بھائی سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ امید ہوتی ہے' اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ہم سب مسلمان چاہے کوئی زبان بولتے ہوں' کسی علاقے کے رہنے والے ہوں' کوئی لباس پہنتے ہوں' ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ہمیں بھائی کی طرح ایک دوسرے کا سہارا ہونا چاہیے۔ ایک بھائی کو کچھ ملے تو ہمیں خوش ہونا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے ایک بھائی کو تو ملا' دوسروں کو بھی مل جائے گا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کے دوسرے پر چھے

حقوق بتائے ہیں۔ سرکارؐ نے فرمایا :

۱۔ اپنے مسلمان بھائی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔

۲۔ وہ تمھیں دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرو۔

۳۔ وہ تم سے بھلائی کا طالب ہو تو تم اس کی بھلائی چاہو۔

۴۔ اس کو چھینک آئے اور وہ "الحمد للّٰہ" کہے تو تم اس کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہو۔

۵۔ وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔

۶۔ وہ مرجائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔

ایک اور حدیث میں ہے :

"انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ تعلق توڑے رکھے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں سچا مسلمان اور اچھا بھائی بنائے۔ (جولائی ۱۹۸۷ء)

پڑوسی کے ساتھ سلوک

پڑوس میں رہنے والے عزیزوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ ہر شریف آدمی اچھا پڑوسی ہوتا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا ہے اس کی شرافت میں شبہ نہیں۔ پڑوسی چاہے کوئی ہو' اس کا کوئی مذہب ہو' وہ کوئی زبان بولتا ہو' غریب ہو' امیر ہو' کالا ہو' گورا ہو' کوئی کام کرتا ہو' کسی جگہ سے آیا ہو' بہرحال پڑوسی ہے اور اس کے ساتھ بہترین سلوک کرنا چاہیے۔ اس کے کام آنا چاہیے۔ ضرورت کے وقت اس کی مدد کرنی چاہیے۔ پڑوسی کسی پریشانی میں پھنس جائے تو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اس کے غم میں

شریک اور اس کی خوشی میں شامل ہونا چاہیے۔
اگر پڑوسی سے کوئی غلطی ہو جائے یا کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تب بھی اس سے بدلا نہیں لینا چاہیے' اس کو معاف کر دینا چاہیے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :
"جو شخص اپنا غصہ نکال لینے کی طاقت رکھتا ہو اور پھر ضبط کر جائے اس کے دل کو اللہ تعالیٰ ایمان و اطمینان سے بھر دیتا ہے۔"
ہم کتنے ہی اچھے کام کریں' لیکن اگر پڑوسی کو تکلیف پہنچائیں' اس کو پریشان کریں' اس سے لڑیں' اس کا مال چھینیں تو ہم اچھے انسان اور مسلمان نہیں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے :
"قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' قسم ہے اللہ تعالیٰ کی' وہ مومن نہیں ہو سکتا جس کی بدی سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔"
(اکتوبر ۱۹۸۷ء)

حقوق اور ادائیِ حقوق

اسلام نام ہے حقوق کی ادائی کا۔ اللہ کے حقوق' اللہ کے بندوں کے حقوق اور خود اپنے نفس کے حقوق۔ اللہ کے حقوق یہ ہیں کہ اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اللہ کی عبادت کی جائے۔
بندوں کے حقوق یہ ہیں کہ ان میں جو جس سلوک کا مستحق ہے اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے۔ ماں باپ کی اطاعت اور خدمت کی جائے۔ بزرگوں کا ادب کیا جائے' ان کا کہنا مانا جائے' ان کو مدد کی ضرورت ہو تو ان کی

مدد کی جائے۔ چھوٹوں کو علم سکھایا جائے' ان کو ادب تمیز سکھایا جائے' ان سے پیار اور محبت سے پیش آیا جائے۔ کسی انسان کو قرض کی ضرورت ہو تو اس کو قرض دیا جائے۔ اگر تمھارا قرض دار مجبوری کی وجہ سے قرض ادا نہ کرسکتا ہو تو اس کو مہلت دی جائے۔ کسی سے قرض لیا ہو تو اسے وقت پر ادا کیا جائے۔ کوئی عزیز کسی پریشانی میں ہو تو اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ کسی نے کوئی امانت تمھارے پاس رکھوائی ہو تو اس کی حفاظت کی جائے۔ کوئی مشورہ مانگے تو اس کو صحیح مشورہ دیا جائے۔ بیوی بچوں کو تکلیف نہ دی جائے۔ شوہر کو پریشان نہ کیا جائے۔ اس سے کوئی ایسا مطالبہ نہ کیا جائے جس کو پورا کرنے کے لیے اس کو اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرنی پڑے یا ناجائز طریقے اختیار کر کے کمانا پڑے۔

اسی کے ساتھ اپنے نفس کے حقوق بھی ادا کرنے چاہییں۔ اپنی غذا' آرام اور صحت کا خیال رکھنا چاہیے۔ محنت اور کام کے بعد تھوڑی بہت تفریح بھی ضروری ہے۔

اسلام توازن اور اعتدال کا راستہ ہے۔ اگر آدمی ہر وقت عبادت ہی کرتا رہے اور دنیا کے کام نہ کرے، علم حاصل نہ کرے' روزی نہ کمائے' عزیزوں اور دوستوں کا خیال نہ رکھے تو یہ بھی اچھا نہیں ہے۔ (نومبر ۱۹۹۲ء)

علم کے بغیر انسان ناقص ہے

قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری اس کا ترجمہ یہ ہے :

"اے نبیؐ! پڑھو تم' اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا' جمے ہوئے

خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ پڑھو' اور تمھارا رب بڑا کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔" (ترجمہ آیت ۱ تا ۵۔ سورۂ علق)

قرآن ہمارا دستور زندگی ہے' ضابطۂ حیات ہے۔ اس کی پہلی آیت پڑھنے کی تاکید سے شروع ہوتی ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس نے قلم کے ذریعہ سے انسان کو علم دیا' وہ علم جس سے انسان واقف نہ تھا۔ اگر ہم غور کریں تو علم کی اتنی اہمیت بتائی گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی بے علم یا جاہل رہنا پسند نہیں کر سکتا۔

علم کے بغیر انسان ناقص ہے' نادان ہے' کم زور ہے۔ علم انسان کو طاقت دیتا ہے۔ ایمان کی قوت بھی علم کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور علم' ایمان کے سہارے طاقت پکڑتا ہے۔

اسلام پہلا دین ہے جس نے علم کو عام کیا اور خاص طبقے سے نکال کر عام انسانوں تک پہنچایا۔ اسی لیے اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ ہی علم بھی خوب پھیلا اور مسلمانوں نے بڑے بڑے علمی کارنامے انجام دیے۔ مسلمانوں نے نہ صرف قرآن اور حدیث سے روشنی حاصل کی' بلکہ دوسری قوموں سے بھی علم لے لیا۔ جو علم انسانوں کو فائدہ پہنچائے وہ کہیں سے بھی ملے اسے لے لینا چاہیے اور خوب علم حاصل کرنا چاہیے۔ (نومبر ۱۹۸۹ء)

علم حاصل کرنا اور پھیلانا نیکی ہے

جو شخص اپنی زبان سے' اپنے قلم سے یا اپنے عمل سے اچھی باتوں' اعلا خیالات' خیر کے جذبے یا نیکی کی ترغیب دیتا ہے وہ بہت ہی عمدہ کام کرتا ہے۔

ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اس پر عمل کرے۔ یہ کام اس لیے بھی اچھا ہے کہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا اور وہ نیک بنیں گے اور اس لیے بھی مفید ہے کہ اس سے خود یہ کام کرنے والا بھی فائدے میں رہتا ہے۔ اس سے لوگ محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کی عزت کرتے ہیں اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ خود اس میں بھلائی کا جذبہ بڑھتا ہے۔

علم انسان کے لیے بہت ضروری ہے۔ علم ہی سے انسان کو اچھے برے کی تمیز آتی ہے۔ علم ہی سے انسان انسان بنتا ہے۔ اس لیے علم کو پھیلانا بھی نیکی ہے، بہت بڑی نیکی۔

تم جو علم حاصل کرتے ہو یہ بھی علم کا پھیلانا ہے۔ یہ بھی نیکی ہے۔ یہ بڑائی بھی ہے۔ علم انسان کو بڑا بھی بناتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ الزمر (آیت ۵) میں ہے کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔

جو آدمی علم حاصل کرنے کے علاوہ دوسروں کو بھی علم سکھاتا ہے وہ تو اور زیادہ اچھا اور بڑا کام کرتا ہے۔ وہ گویا نیکی، خیر اور حکمت پھیلاتا ہے۔ ہمارے پیارے ملک میں ابھی تعلیم کی بہت کمی ہے۔ بہت سے بچے اور بڑے اب تک علم سے محروم ہیں، اس لیے ہر نونہال کو چاہیے کہ وہ خود تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی پڑھائے۔ اگر ایک آدمی دو آدمیوں کو پڑھائے تو بہت جلدی پڑھے لکھوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ تو بھئی، آج ہی سے عمل شروع کر دو۔ (ستمبر ۱۹۹۱ء)

پڑھو اپنے رب کا نام لے کر

علم کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ

ہمارے پیارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمانا شروع کیا تو سب سے پہلے جو وحی بھیجی اس میں فرمایا کہ "پڑھو اپنے رب کا نام لے کر۔"

اقرأ باسم ربک (سورۂ علق۔ آیت ۱)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علم دنیا کی ضرورتوں کے لیے ہی نہیں، بلکہ دین کے لیے بھی ضروری ہے۔ اسلام ہی وہ پہلا دین ہے جس نے علم کی ضرورت پر زور دے کر عام انسانوں تک اس دولت اور اس نعمت کو پہنچایا اور علم کی روشنی کو عام کیا۔ علم کو کسی ایک طبقے اور جماعت تک محدود نہیں رکھا۔ اس سے پہلے علم کو عام انسانوں تک پہنچنے نہیں دیا جاتا تھا اور چند لوگوں یا چند خاندانوں تک محدود رکھا جاتا تھا۔ کیوں؟ اس لیے کہ علم کی روشنی سے انسان میں شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کو اور خود اپنے آپ کو پہچاننے لگتا ہے۔ اس میں اچھے اور برے کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ علم رکھنے والا آدمی نہ برائی کرتا ہے اور نہ برائی کو برداشت کرتا ہے۔ نہ وہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

ہمارے پیارے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

"طالب علم کی راہ میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔"

پیارے نونہالو! ہمارے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم واقعی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یا صرف امتحان پاس کرنا؟ اور امتحان پاس کرنے کے لیے کیا ہم صحیح طریقے اختیار کرتے ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ نونہال ایسے طالب علم بنیں گے جن کے راستے میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

(اپریل ۱۹۹۲ء)

علم حاصل کرنے کا مقصد

علم حاصل کرنے سے دنیا میں تو بہت سے فائدے ہوتے ہی ہیں، علم کے دینی فائدے اور فضیلت بھی کم نہیں ہے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : "اللہ تم میں سے اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بڑھاتا ہے۔" (المجادلہ ۱۱)۔ اس آیت میں ایمان والوں کے ساتھ ہی علم والوں کا ذکر ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ علم کی اہمیت بھی بتائی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی :
"آپ دعا کیجیے کہ اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما دیجیے۔"
(طٰہٰ ۱۱۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے : "علم حاصل کرو، اس لیے کہ جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں نیکی کرتا ہے، جو شخص علم کا تذکرہ کرتا ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے، جو شخص علم کی جستجو کرتا ہے وہ اللہ کی محبت کا دم بھرتا ہے اور جو شخص علم کو پھیلاتا ہے وہ صدقہ دیتا ہے۔"

نونہالو! اس سے زیادہ علم کی اہمیت بتانے کی ضرورت نہیں، لیکن ایک بات اپنے ذہن میں صاف کر لو۔ علم حاصل کرنے کا مطلب صرف امتحان پاس کرنا نہیں ہے کہ کتاب رٹ کر یا امتحان میں نقل کر کے پاس ہو جاؤ اور یہ سمجھو کہ تم نے علم حاصل کر لیا ہے۔ کسی غلط طریقے سے امتحان پاس کرنے کے باوجود تم علم سے کورے ہو۔ تمھیں معلومات نہ ہوں اور انسان میں علم سے جو سمجھ، عقل اور تہذیب پیدا ہوتی ہے وہ تم میں پیدا نہ ہو تو گویا تم نے علم حاصل نہیں کیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ تم شوق سے پڑھو۔ اپنے ذہن میں معلومات بٹھاؤ، کتاب سے محبت پیدا کرو، استاد کی عزت کرو۔ (نومبر ۱۹۹۸ء)

اسلامی تہذیب میں عالم کا مقام

ہارون الرشید اپنے شاہی سفید گھوڑے پر سوار تھے۔ شاہی جلوس بغداد کے ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ ناگاہ خلیفہ کی نگاہ ایک مقام پر پڑی۔ وہاں اس وقت ایک عالم بزرگ تشریف فرما تھے۔ ہارون الرشید گھوڑے سے اتر گئے۔ احترام سے عالم کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ شکایت کی :

"حضرت! آپ دربار میں تشریف نہیں لاتے کہ برکت کا سامان ہو۔"

جواب دیا : "مطالعے کی مصروفیتیں مانع ہیں۔"

خلیفہ نے کہا : "اس قدر زیادہ مطالعہ کر کے کیا کریں گے؟"

عالم نے جواب دیا : "تاکہ خلیفۂ وقت احترام کرے اور گھوڑے سے اتر کر دو زانو بیٹھ جائے۔"

تہذیب و تمدن اسلامی میں مقام عالم یہی ہے۔ (جولائی ۱۹۹۵ء)

استاد کا احترام ایسا ہو

عالی مرتبت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے مجھے ستارۂ امتیاز سے نوازا تو میں واقعی خوش ہوا۔ میں نے یہ ستارۂ امتیاز پاکستان کے اس محسن کے ہاتھوں اپنے گلے میں پہنا اور پھر اتار کر ایسا رکھا کہ آج تک پھر اس کا ذکر تک نہ کیا۔ بتانے کی بات یہ ہے کہ میں یہ اعزاز حاصل کر کے سیدھا اپنے استاد محترم جناب ممتاز حسین صاحب کے گھر گیا۔ ستارۂ امتیاز ان کی خدمت میں پیش کر

دیا اور کہا :

"آپ نے مجھے پہلی جماعت میں پڑھایا تھا۔ اس کی برکت سے میں آج اس مرتبے کو پہنچا ہوں۔ یہ اعزاز دراصل آپ کا اعزاز ہے۔"

میرے اس عمل سے جناب ماسٹر ممتاز حسین صاحب جس طرح خوش ہوئے اسے میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ استاد کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے۔

(مئی ۱۹۹۶ء)

علم۔ نیکی بھی صدقہ بھی

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"علم حاصل کرو، اس لیے کہ جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ اللہ کے راستے میں نیکی کرتا ہے۔ جو شخص علم کا تذکرہ کرتا ہے وہ اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ جو شخص علم کی جستجو کرتا ہے وہ اللہ کی محبت کا دم بھرتا ہے۔ جو شخص علم کو پھیلاتا ہے وہ صدقہ دیتا ہے۔"

حضورؐ کے اس ارشاد سے علم کے فائدے اور اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ علم آدمی کو انسان بناتا ہے۔ علم سے انسان کا دماغ روشن ہوتا ہے، علم انسان کی عزت بڑھاتا ہے۔ اس کے سامنے ترقی کے راستے کھولتا ہے۔

جو نونہال تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں وہ دین اور دنیا دونوں کا کام کر رہے ہیں۔ ایک نیک کام کر رہے ہیں۔ علم سے ان کی دنیا بھی سدھرے گی اور آخرت میں بھی ان کا درجہ بلند ہوگا، لیکن علم کو علم کے لیے حاصل کرنا چاہیے، تجارت اور منافع کے لیے نہیں۔

علم کتابوں سے تو حاصل ہوتا ہی ہے، لیکن علم والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بھی علم میں ترقی ہوتی ہے۔ استاد کا مقام اسی لیے بلند ہے کہ وہ ہمیں علم دیتا ہے۔ استاد ہمیں کتاب پڑھنا ہی نہیں سکھاتا، بلکہ ہمیں علم کی قدر کرنا بھی سکھاتا ہے اور انسان بناتا ہے۔ اس لیے استاد کی جتنی زیادہ عزت کرو گے اتنا ہی زیادہ علم تمھیں آئے گا۔

علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علم کو دوسروں تک پہنچانا بھی نیکی ہے۔ بعض نونہال کسی مجبوری کی بنا پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ہر نونہال کو چاہیے کہ وہ کم سے کم ایک ایسے نونہال کو پڑھائے۔ اس طرح پڑھانے والے کا علم بھی بڑھے گا۔

(اپریل ۱۹۹۷ء)

علم عبادت سے افضل ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو عبادت سے بھی افضل قرار دیا ہے۔ آپؐ کا فرمان ہے :

"عالموں کی باتیں سننا اور حکمت کے اسباق کو دوستوں کے ذہن نشین کرانا عبادت سے بڑھ کر ہے۔"

سرکار دو عالمؐ کا ایک اور ارشاد ہے :

"طالب علم کی راہ میں فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔"

میرے عزیز نونہالو اور طالب علمو!

تم نے دونوں عالم کے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھے۔ اب ذرا سوچو کہ اس سے بڑھ کر علم کی اور طالب علم کی قدر و منزلت

کیا ہو سکتی ہے اور تم جو علم حاصل کر رہے ہو' کتنا بڑا اور کتنا نیک کام کر رہے ہو' اس لیے علم حاصل کرنے کو بوجھ نہ سمجھو' اپنے کو کسی سے کم نہ سمجھو۔ علم حاصل کرو' خوب حاصل کرو' دل لگا کر پڑھو' تعلیم کو ایک مقدس کام سمجھو اور علم کے حاصل کرنے کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھو۔

دولت کے لیے علم حاصل نہ کرو' عہدے کے لیے نہ پڑھو' ترقی کے لیے علم کی طلب نہ کرو' عزت کے لیے نہ سیکھو' بلکہ علم کے لیے ہی علم حاصل کرو' علم خود ایک مقصد ہے' اعلا مقصد۔

تمھارا علم تمھیں بھی عزت دے گا اور تمھارے خاندان کو' تمھاری قوم کو اور تمھارے پیارے پاکستان کو عزت کے اعلا مقام پر پہنچا دے گا۔

(دسمبر ۱۹۹۷ء)

تجارت کے اخلاق

چوری' لوٹ' ڈاکا' دھوکا' یہ سب کتنی بری باتیں ہیں۔ ان کو کون پسند کرتا ہے۔ سب ہی برا کہتے ہیں۔ چور' ڈاکو' لٹیرے اور فریبی کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے' لیکن تاجر کی سب عزت کرتے ہیں۔ تجارت ایک باعزت پیشہ ہے۔ اس سے منافع بھی حاصل ہوتا ہے احترام بھی' لیکن تجارت میں سے اگر اخلاق کو نکال دیا جائے تو؟ جواب آسان ہے۔ جو تاجر ایسا کرے گا وہ عزت' احترام کے قابل نہیں رہے گا۔

اخلاق سے کیا مراد ہے؟ تاجر یا دکان دار کی چکنی چپڑی' میٹھی میٹھی باتیں اور خوشامدانہ لہجہ مراد نہیں' کیوں کہ یہ تو ظاہری اخلاق ہوئے۔ ظاہری اور اوپری اخلاق تو دھوکے اور فریب ہی کی تعریف میں آتے ہیں۔ اخلاق سے مراد

یہ ہے کہ سچ بولے، اپنے مال کی جھوٹی تعریف نہ کرے، مال میں کسی قسم کا عیب ہو تو اس کو چھپائے نہیں بلکہ بتا دے، کم نہیں تولے، کم نہیں ناپے اور منافع مناسب لے۔ اگر کسی دکان دار نے ایک روپے کی چیز ۵ روپے میں بیچ دی تو یہ منافع نہیں ہوا، دھوکا ہوا، لوٹ ہوئی، کیوں کہ جب تک دکان دار جھوٹ نہ بولے اور اس چیز کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے نہ ملائے، وہ ایک روپے کے ۵ روپے وصول نہیں کر سکتا۔ ایک کے پانچ بنا کر بعض بلکہ اکثر تاجر دل میں خوش ہوتے ہیں اور اس کو معقول منافع اور اللہ کا فضل کہتے ہیں، لیکن یہ تجارت نہیں ہے، لوٹ ہے۔ گاہک کو دھوکا دینا ہے۔ ایسا کرنا دیانت، امانت اور اخلاقی اصولوں کے خلاف ہے۔ اس سے مہنگائی بھی بڑھتی ہے۔ تجارت وہی اچھی ہے جو سچے اخلاق کے ساتھ کی جائے۔ اس میں بہ ظاہر نفع کم ملتا ہے، لیکن برکت زیادہ ہوتی ہے۔ دل مطمئن رہتا ہے اور اطمینان بڑی دولت ہے۔

(ستمبر ۱۹۸۶ء)

مسلمان تاجر کی صفات

مسلمان تاجر بہترین تاجر ہوتا ہے۔ وہ کھرا اور بے عیب مال فروخت کرتا ہے اور اس کے مال میں کوئی خامی یا کمزوری ہوتی ہے تو وہ گاہک کو صاف بتا دیتا ہے۔ وہ اپنے مال کے عیب کو چھپاتا نہیں۔ وہ خراب چیز و عمدہ کہہ کر بیچنے سے یہ بہتر سمجھتا ہے کہ نہ بیچے۔ مال بیچنے میں بے شک اس کا فائدہ ہوتا ہے، لیکن وہ اپنا ایسا فائدہ نہیں چاہتا جس میں دوسروں کا نقصان ہو یا اس کو بعد میں تکلیف ہو۔ مسلمان تاجر کسی کو دکھ دینا نہیں چاہتا۔

سرکار دو عالم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"دھوکے باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔"

مسلمان تاجر نفع بھی زیادہ نہیں لیتا۔ مناسب نفع لیتا ہے۔ آج کل تاجر اپنی چیزیں بہت مہنگی بیچ کر سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے تاجر ہیں اور کام یاب ہیں، لیکن حد سے زیادہ منافع لینا بھی دھوکا دینے کے برابر ہے، کیوں کہ اس کے لیے تاجر کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور اپنی چیز کی جھوٹی تعریف کرنی پڑتی ہے۔

زیادہ نفع لینے سے مہنگائی بڑھتی ہے۔ جو تاجر کپڑا مہنگا بیچتا ہے وہ جب گوشت ترکاری لینے جاتا ہے تو وہ اس کو مہنگی ملتی ہے۔ مہنگی چیزیں خریدنے کے لیے تاجر اپنی چیز کی اور زیادہ قیمت بڑھاتا ہے۔ اس طرح ایسا چکر چلتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس سے سب ہی پریشان ہوتے ہیں۔

(فروری ۱۹۸۸ء)

ملاوٹ کرنے والا گنہ گار ہے

تجارت کتنی اچھی چیز ہے۔ اس میں کتنی برکت ہے۔ دولت بڑھتی ہے، روزی میں وسعت پیدا ہوتی ہے، آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے، لیکن تجارت کسے کہتے ہیں؟ کیا اس کو کہ ایک رپے کی چیز دو رپے میں بیچی جائے؟ کیا اس کو کہ خراب مال کو اچھا مال کہہ کر بیچا جائے؟ کیا اس کو کہ سستے کے نام پر مہنگا مال بیچا جائے؟ نہیں، اس کو تجارت نہیں کہتے۔

تجارت کہتے ہیں مناسب نفع پر چیزیں فروخت کرنے کو۔ تجارت کہتے ہیں جیسا مال ہو ویسا ہی بتا کر گاہک کو دینے کو، تجارت کہتے ہیں پورا تول کر اور پورا ناپ کر اپنا مال بیچنے کو۔ اگر تم نے حد سے زیادہ نفع لیا تو یہ نفع نہ ہوا، دھوکا ہوا۔ یہ تجارت نہیں ہوئی، لوٹ ہوئی۔

اگر تم نے ملاوٹ کی یعنی اچھی چیز میں خراب چیز ملائی تو گناہ کیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ملاوٹ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ اس لیے اگر ملاوٹ کریں گے تو ہم حضورؐ کی امت میں سے کب رہیں گے! اور پھر حضورؐ کی شفاعت (سفارش) سے محروم ہو جائیں گے۔ کیا تھوڑے سے فائدے کے لیے اپنا اتنا بڑا نقصان کرنا عقل مندی ہے؟

جھوٹ بول کر، مبالغہ کر کے، گھٹیا مال کو بڑھیا بتا کر بیچنے والے اور دام زیادہ لینے والے نہ اپنے دوست ہیں نہ ہمارے دوست۔ ان کو سیدھا راستہ دکھاؤ۔ ان کو سمجھاؤ۔ ان کو سچ بولنے، مال کی اصلیت بتانے اور تھوڑا منافع لینے پر آمادہ کرو۔

آج جو لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے، مہنگائی ہے، پریشانی ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جلدی سے مال دار ہو جانا چاہتا ہے۔ اسی سے ساری خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ بے شک منافع کماؤ، مگر محنت کر کے، صبر کر کے، ایمان داری سے۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ (جولائی ۱۹۸۸ء)

تجارت کا صحیح مطلب

کس آمدنی اور کس کمائی میں سب سے زیادہ مزہ ہے؟ جواب آسان ہے اور اس سوال کا ایک جواب ہے کہ محنت کی کمائی اور جائز آمدنی میں جو لذت اور سکون ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ محنت اور دیانت سے کمائی ہوئی تھوڑی روزی میں بھی جو برکت اور راحت ہے وہ ناجائز اور بے ایمانی سے کمائی ہوئی بڑی سے بڑی دولت میں بھی نہیں۔

تجارت کتنی اچھی چیز ہے، لیکن تجارت اس کو نہیں کہتے کہ ناجائز

طریقوں سے اندھا دھند نفع حاصل کیا جائے۔ تجارت کا مطلب یہ ہے کہ مناسب منافع لیا جائے، کوئی خراب چیز نہ بیچی جائے، کھوٹے مال کو کھرا نہ بتایا جائے اور جھوٹ بول کر مال نہ بیچا جائے۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دوسری تمام باتوں میں سیدھا، سچا راستہ اور طریقہ بتایا ہے اسی طرح تجارت کے بارے میں بھی ہدایات دی ہیں۔ آپؐ کا ارشاد ہے "سب سے اچھی کمائی وہ ہے جو انسان اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتا ہے اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی اور جھوٹ سے کام نہیں لیتا۔" حضورؐ کا ایک اور فرمان پڑھو: "سچائی کے ساتھ لین دین کرنے والا امانت دار تاجر قیامت کے روز نبیوں، صادقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "کسی شخص کے ہاتھ کوئی چیز بیچتے وقت اس کی خرابی کو چھپانا جائز نہیں ہے اور اگر کوئی شخص اس چیز کے عیب سے واقف ہو تو اسے خریدار کو صاف صاف بتا دینا چاہیے۔"

بہت زیادہ نفع لینا اور جھوٹ بول کر معمولی چیز کو بڑھیا چیز بتانا بھی دھوکے اور چوری کے برابر ہے۔ اس کو تجارت نہیں، لوٹ کہنا چاہیے۔ کم منافع لے کر اور چیز کی اصلیت بتا کر تجارت کرنے سے، چاہے آدمی بہت جلد مال دار نہ ہو، لیکن وہ نہ صرف سکون، آرام اور عزت کی زندگی گزارتا ہے بلکہ ملک و قوم کی خدمت بھی کرتا ہے۔

(نومبر ۱۹۹۰ء)

تم بھی قائدِ اعظم بن سکتے ہو

پاکستان ہمارا وطن ہے، ہماری جان ہے، ہماری زندگی ہے۔ پاکستان ہے تو

ہم ہیں۔ پاکستان کس نے بنایا؟ قائد اعظم محمد علی جناح نے۔

محمد علی جناح کون تھے؟ بہت بڑے سرمایہ دار، بہت بڑے صنعت کار؟ نہیں، ان کے والد نہ امیر تھے اور نہ وزیر۔ ایک چھوٹے سے تاجر تھے۔ تو پھر محمد علی جناح قائد اعظم کیسے بن گئے؟

مجھ سے اس کا جواب پوچھتے ہو تو میں کہوں گا کہ مقصد کی لگن سے، عزم سے، محنت سے۔

پہلے قائد اعظم نے اپنی زندگی بنائی۔ انھوں نے پوری توجہ اور شوق سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے وقت بے کار نہیں کھویا۔ وہ اپنا سارا وقت پڑھنے لکھنے میں صرف کرتے تھے۔ دن کو بھی پڑھتے تھے اور رات کو بھی پڑھتے تھے۔ علم شوق سے حاصل ہوتا ہے، محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ قائد اعظم نے جو کچھ سیکھا اپنے شوق اور اپنی محنت سے سیکھا۔ انھوں نے بچپن ہی میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ بڑے آدمی بنیں گے۔ جب وہ بڑے آدمی بن گئے تو انھوں نے قوم کی بے لوث خدمت شروع کی۔

انھوں نے محسوس کیا کہ ہندستان کے مسلمانوں کو ایک علاحدہ ملک چاہیے جہاں وہ امن و آزادی سے رہ سکیں اور اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔ اس مقصد کی لگن ان میں اتنی زبردست تھی کہ پاکستان بنا کر چھوڑا۔ پاکستان بنانے کے بعد اپنی صحت کی پروا کیے بغیر اس کے استحکام کے لیے آخری وقت تک کام کرتے رہے۔

تم بھی اگر قائد اعظم کی مثال پر عمل کرتے ہوئے محنت کرو اور پکا ارادہ کر لو تو اعلا تعلیم حاصل کر کے اپنے پیارے پاکستان کو امن اور خوش حالی کا گہوارا بنا سکتے ہو۔

(دسمبر ۱۹۸۸ء)

قائدِ اعظم کی خواہشیں

ہمارا پیارا ملک پاکستان کس کی عقل مندی اور کوشش سے بنا؟ سب جانتے ہیں کہ قائد اعظم محمد علی جناح اس عظیم ملک کے بانی تھے۔ قائد اعظمؒ نے یہ ملک کیوں بنایا تھا؟ اس لیے بنایا تھا کہ مسلمانوں کو ایسا گھر مل جائے جو ان کا اپنا گھر ہو، جس میں ان کی اپنی مرضی چلے، جس میں کوئی ان کو ستانے والا نہ ہو، جہاں وہ اپنے مذہب پر سکون سے عمل کر سکیں، جہاں ان کی محنت کا پھل انھی کو ملے، جہاں وہ مل جل کر، ایک دل ہو کر سب کی بھلائی کے لیے کام کریں اور خوب ترقی کریں، خوب علم حاصل کریں۔ جہاں انصاف ہو، جہاں اچھے کام کرنے سے کوئی نہ روکے، جہاں برے کام کرنے کی اجازت نہ ہو۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا پاکستان میں یہ سب خوبیاں ہیں؟ کیا پاکستان ایسا بن چکا ہے جیسا قائد اعظم اس کو بنانا چاہتے تھے؟

واقعی پاکستان، ہمارا پاکستان ابھی ویسا پاکستان نہیں بنا جو قائد اعظم کی خواہش کے مطابق ہو۔ تو آؤ اب ہم پاکستان کو قائد اعظم کی خواہش کے مطابق بنائیں۔ آؤ یہاں انصاف قائم کریں۔ آؤ اپنا اپنا فرض ادا کریں اور دوسروں کے حقوق ان کو دیں۔ آؤ ایمان داری سے، سادگی سے اور کفایت سے زندگی گزاریں۔ آؤ مل جل کر محبت، خلوص، امن اور اتحاد کے ساتھ رہیں۔ کسی سے نہ لڑیں، کسی کو برا نہ کہیں، کسی کو دکھ نہ پہنچائیں۔ آؤ لالچ اور دولت کی ہوس چھوڑ کر علم کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ علم اور اخلاق ہی سب سے بڑی دولت ہے۔ اسی دولت سے پاکستان ترقی کرے گا۔

(دسمبر ۱۹۸۹ء)

قائدِ اعظم کی خوبیاں

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ہمیں جگایا اور نہ صرف غیر ملکی حاکموں کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ دوسرے ہم وطنوں کے غلبے سے بھی نکالا۔ قائدِ اعظمؒ کی بدولت آج ہمارا اپنا وطن ہے اور ہم اس کے مالک و مختار ہیں۔

آزادی حاصل کرنے کی کوششوں میں ہمارے دوسرے بڑے لیڈر بھی شریک تھے اور انھوں نے بڑی بڑی قربانیاں بھی دیں اور آزادی کے لیے راستہ ہموار کیا۔ ان رہنماؤں کا بھی ہم پر بڑا احسان ہے اور ہم ان کو کبھی نہیں بھلا سکتے۔ ان کی زندگیاں اور ان کے کارنامے ہمیشہ ہمارے لیے مشعلِ راہ رہیں گے، لیکن قائدِ اعظمؒ کو اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی خصوصیات دی تھیں کہ انھوں نے اپنی ذہانت اور عقل مندی سے برِصغیر کے مسلمانوں کو متحد کر کے مسلم لیگ کے پرچم تلے اکٹھا کیا اور مخالفوں کی چالوں کو ناکام کر کے پاکستان بنا دیا۔

ہمیں قائدِ اعظمؒ کی زندگی کے حالات کا بڑے غور سے مطالعہ کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ان میں وہ کیا خوبیاں تھیں کہ وہ ایک معمولی آدمی سے بڑے آدمی بنے اور پھر انھوں نے اپنی قوم کے کروڑوں انسانوں کو روشنی دکھائی۔ قائدِ اعظم علم حاصل کرنے کے شوقین، محنتی، دیانت دار، سچ بات کہنے والے، اصولوں کی پابندی کرنے والے، وعدے کا پاس کرنے والے اور نہ ڈرنے والے انسان تھے۔ ان میں لالچ نہ تھا۔ ان میں حوصلہ تھا۔ ان میں محنت اور صلاحیت سے روزی کمانے اور کام یابی حاصل کرنے کا جذبہ تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی خود بنائی۔ قانون پڑھا اور اس میں بے مثال مہارت حاصل کی۔ انھوں نے اپنے علم اور مہارت سے قوم کو فائدہ پہنچایا۔ قوم نے ان کو اپنا باپ بنایا۔ بابائے ملت کا

نمونہ تمھارے سامنے ہے۔ تم اس نمونے کے مطابق بن کر خود بھی اپنا نام روشن کرسکتے ہو اور پاکستان کا نام بھی روشن کرسکتے ہو۔ (دسمبر ۱۹۹۰ء)

آزادی کی برکتوں کا فیض

ہم آزاد ہیں۔ ہماری نئی نسل نے، نونہالوں نے آزادی کے سائے میں آنکھ کھولی ہے۔ انھوں نے غلامی کا زمانہ نہیں دیکھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی ہے۔ آزادی کی نعمتیں ان کو شروع ہی سے میسر ہیں۔ اس کے لیے ان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور آزادی کی برکتوں سے خوب فائدہ اٹھانا چاہیے۔ آزادی کی برکتیں کیا ہیں؟ آزاد انسانوں کو اپنی زندگی بنانے کا خود اختیار ہوتا ہے۔ ان پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ وہ اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ملک کو جیسا چاہیں، بنا سکتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کی ترقی کے لیے بہترین راستے کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی بھلائی اور خدمت کے لیے کام کرنے میں آزاد ہوتے ہیں۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی ہے۔ صرف ایک پابندی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کی آزادی نہ چھینیں۔ دوسروں کو بھی جینے، کام کرنے اور آگے بڑھنے کا موقع دیں۔ اگر ہم یہ سب کر رہے ہیں تو گویا آزادی کی برکتوں سے فیض اٹھا رہے ہیں۔ اگر ہم یہ نہیں کر رہے ہیں تو ہم آزادی کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں اور ہم صحیح معنوں میں آزاد نہیں ہیں۔

یوم آزادی کے موقع پر ہمیں یہ باتیں سوچنی چاہییں اور اپنا جائزہ لینا چاہیے اور اگر کوئی کمی ہے تو اس کو دور کرنا چاہیے۔ پھر ہمیں ان بزرگوں اور محسنوں کو بھی یاد کرنا چاہیے جن کی کوششوں اور قربانیوں سے ہمیں آزادی ملی یا آزادی لینے کے جرم میں جن کی جانیں قربان ہوگئیں، جن کے عزیز شہید ہوئے، جن کی

ساری عمر کی کمائی اور گھر بار چھن گئے۔ ان کو یاد کر کے اور ان کا سا جذبہ پیدا کر کے ہم امن، آرام اور خوش حالی کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ (اگست ۱۹۹۰ء)

آزادی اور ہمارا فرض

آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ آزادی کے لیے دنیا کی ہر قوم ہر قسم کی قربانی دیتی ہے۔ ہم نے بھی اپنی آزادی کے لیے بڑی قربانی دی ہے۔ ہزاروں جانیں قربان کی ہیں تب کہیں جاکر ہمیں غلامی سے نجات ملی ہے۔ غلامی سے بڑی کوئی ذلت نہیں۔ ہم نے پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ ہم یہاں ہر قسم کی غلامیوں سے آزاد ہوکر امن وسکون اور بھائی چارے کے ساتھ رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں غیر قوم کی غلامی سے نجات دلا کر ایک آزاد ملک عطا کیا۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اس ملک کو قائم رکھیں، ترقی دیں، اس میں ایسا اچھا نظام قائم کریں کہ سب کے ساتھ انصاف ہو، سب کو ترقی کرنے کا موقع ملے، سب علم حاصل کر سکیں، سب صحت مند رہ سکیں۔ ہم یہ فرض کہاں تک ادا کر رہے ہیں، اس کا اندازہ بھی سب کو ہے۔ اب ہمیں اپنے بچوں سے، اپنے نونہالوں سے امید ہے کہ وہ اس فرض کو زیادہ اچھی طرح پورا کریں گے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلانے کے لے جہاد کیا تھا اور اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ آپ کی شہادت بھی ہمیں یہی سبق سکھاتی ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی غلامی قبول نہ کریں۔ شہادت کے معنی ہیں گواہی۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے عمل سے یہ گواہی دے اور ضرورت ہو تو اپنی جان قربان کر کے بھی گواہی دے کہ صرف اللہ کی غلامی ہی میں انسان کی نجات ہے۔ (اگست ۱۹۹۱ء)

آزادی اور ہمارا پیارا ملک

آزادی کسے کہتے ہیں؟

آزادی کا مطلب یہ ہے کہ کسی ملک کے انسانوں پر کوئی دوسرا حکومت نہ کرے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے ملک کا انتظام خود کریں۔ وہ اپنی حکومت کا کام خود چلائیں۔ ملک سے باہر کا کوئی آدمی یا کوئی جماعت انتظام میں دخل نہ دے۔ ہم ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک انگریزوں کے غلام تھے۔ انگریزوں نے ہماری حکومت چھین لی تھی۔ کیوں چھین لی تھی؟ اس لیے چھین لی تھی کہ ہم میں اتحاد و اتفاق نہیں تھا۔ ہم میں خود غرضی آگئی تھی اور ہم ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ ہمارے حاکم عیش میں پڑ گئے تھے۔ انگریزوں نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا اور ہماری آزادی چھین کر ہم پر حکومت کرنے لگے۔

جب آزادی چھن گئی تو ہماری آنکھیں کھلیں۔ ہم میں کچھ دردمند اور قابل لوگ ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے ہمیں جگایا۔ ہمیں متحد کیا اور انگریزوں کو یہاں سے جانے پر مجبور کر دیا۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی رہ نمائی میں مسلمانوں کی سب سے مقبول جماعت مسلم لیگ نے پاکستان قائم کرنے میں کام یابی حاصل کر لی۔

جب پاکستان بنا تو یہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک تھا اور دنیا کے تمام ملکوں میں آبادی کے لحاظ سے اس کا پانچواں نمبر تھا، لیکن یہ اعزاز ہمیں زیادہ عرصے حاصل نہیں رہا۔ ہم آپس میں لڑنے لگے۔ دشمنوں کو موقع ملا اور ان کی سازشیں کام یاب ہوئیں۔ ہمارے پاکستان کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ پاکستان آدھا رہ گیا۔ ہماری تعداد کم ہوگئی۔ ہماری طاقت گھٹ گئی، لیکن اس پر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلیں۔ ہم میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ اب ہم کبھی نہیں لڑیں گے۔ مل

جل کر رہیں گے۔ ملک کی بھلائی اور ترقی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ہم اب بھی لڑ رہے ہیں، ہمیں اب بھی یہ فکر نہیں ہے کہ اس لڑائی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ اللہ نہ کرے ہمارا پیارا ملک پاکستان ... اس سے آگے لکھنے سے میرا قلم قاصر ہے۔ (اگست ۱۹۹۳ء)

آزادی بڑی نعمت ہے

میرے عزیزو!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں پاکستان عطا فرمایا۔ اس عظیم پاکستان میں دنیا کا ہر موسم موجود ہے۔ دنیا کی ہر نعمت موجود ہے۔ صحرا بھی ہیں، نخلستان بھی۔ بلند ترین پہاڑ بھی ہیں، حسین وادیاں بھی ہیں۔ آبشار بھی ہیں، چمنستان بھی ہیں۔ دریا بھی ہیں، سمندر بھی ہیں۔ ہر پھل موجود ہے، ہر سبزی بھی۔ غرض ہر نعمت جس کا تصور ممکن ہے پاکستان میں موجود ہے۔ گویا پاکستان سورۂ رحمٰن کی تفسیر ہے۔

بس یہاں قحط ہے پاکستان سے محبت کا۔ یہاں کال پڑا ہے عِلم و عالم کے احترام کا۔

نونہالانِ وطن، نوجوانانِ امروز اور دخترانِ پاکستان!

اپنی آزادی کی قدر کرو۔ یہ بڑی نعمت ہے۔ (ستمبر ۱۹۹۵ء)

آزادی کا صحیح استعمال

آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اس حق کو اسلام سب سے زیادہ تسلیم کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلا کر صرف ایک اللہ کا بندہ

بنایا ہے۔ اسلام سے پہلے انسان ہر قسم کی غلامی میں مبتلا تھا۔ وہ ہر ایک کے سامنے جھکتا تھا۔ وہ اپنے نفس سے لے کر بتوں تک کی پوجا کرتا تھا۔ اسلام نے اس کو ان سب سے آزاد کیا۔

آزاد انسانوں کے ملک کو آزاد ملک کہتے ہیں۔ پاکستان بھی آزاد ملک ہے۔ یہ ملک بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ آزاد ملک کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے فیصلوں اور کاموں میں کسی دوسرے ملک، کسی دوسری قوم کے پابند نہیں ہیں۔ ہم اپنے مذہب، اپنی تہذیب پر عمل کرنے کے لیے آزاد ہیں۔ ہمیں تمام اچھے کام کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ اپنے ملک کو ترقی دینے، اپنے عوام کو خوش حال بنانے، اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنے، اچھی تعلیم حاصل کرنے کی آزادی ہے۔ ہمیں برے اور غلط کام کرنے کی بھی آزادی ہے، لیکن یہ آزادی کا غلط استعمال ہے اور ہم آزادی کا غلط استعمال ہی کر رہے ہیں۔ اس کا نقصان بھی اٹھا رہے ہیں۔ ہم پریشان ہیں، خوش نہیں ہیں، تو پھر آزادی کا صحیح استعمال کر کے کیوں خوش نہ رہیں اور ا[illegible] کو خوش حال نہ بنائیں! (اگست ۱۹۹۶ء)

اپنے ملک کا دفاع فرض ہے

دفاع کے معنی ہیں دور کرنا، روکنا، باز رکھنا۔ کسی ملک کے دفاع کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کو اس سے دور رکھا جائے، ان کو قریب آنے اور نقصان پہنچانے سے روکا جائے۔ اس مقصد کے لیے ہر ملک اپنی فوج رکھتا ہے اور فوج کو اپنی بساط بھر اچھے ہتھیاروں سے لیس رکھتا ہے۔ فوج کا تو کام ہی ہوتا ہے ملک کو دشمن کے حملے سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا، لیکن ملک کو بچانا ملک کے ہر شہری کا فرض ہوتا ہے۔ ایک آزاد ملک کا ہر شہری اپنے ملک کا دفاع کرتا ہے۔

پاکستان ایک آزاد اور خود مختار ملک ہے۔ ہماری فوج اس کے دفاع کے لیے ہر وقت چوکس اور تیار رہتی ہے، لیکن اس کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے۔ اس کو ہر تکلیف سے، ہر مصیبت سے، ہر قسم کی برائیوں سے بچانا ہم سب کا فرض ہے، کیوں کہ پاکستان ہم سب کا ہے۔ میرے خیال میں پاکستان کا دفاع صرف یہی نہیں ہے کہ بیرونی دشمنوں سے اس کی حفاظت کی جائے اور ان کو پاکستان میں داخل ہونے سے روکا جائے، بلکہ پاکستان کو ہر قسم کے دشمنوں اور ہر قسم کی دشمنی سے بچانا اور محفوظ رکھنا بھی پاکستان کا دفاع ہی ہے۔

ہم میں سے جو آدمی بھی اچھا کام کرتا ہے، چاہے وہ کسی کے لیے ہو، وہ پاکستان کی خدمت کرتا ہے اور حفاظت کرتا ہے۔ اس لیے کہ پاکستان اسی وقت قائم رہ سکتا ہے اور محفوظ رہ سکتا ہے جب ہم سب اچھے اچھے کام کریں۔ اچھے خیالات رکھیں۔ اعلا تعلیم حاصل کریں۔ اپنے بھائیوں سے محبت کریں۔ اصول اور قانون کے خلاف کوئی کام نہ کریں۔ کسی بھائی سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے بدلا نہ لیں، بلکہ اسے معاف کر دیں، کیوں کہ وہ بھی پاکستانی ہے اور پاکستان ہمارا گھر ہے۔ (ستمبر ۱۹۸۷ء)

وطن کے محافظوں کی یاد میں

اپنے گھر کی حفاظت کرنا، اس کی دیکھ بھال کرنا، اس کو سجانا اور سنوارنا ہر شخص کا فرض ہے بلکہ اس کی اولین ذمے داری ہے۔ گھر کی حفاظت کا پورا انتظام کرنے کے بعد آدمی کتنے سکون سے رہتا ہے۔ اسے باہر سے آنے والے خطروں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ گھر کی باہر سے حفاظت کرنے سے پہلے یہ بے حد ضروری ہے کہ اس کو اندر سے بھی مضبوط بنایا جائے۔ جب گھر اندر سے محفوظ ہوتا ہے تو

گھر والے بے فکری سے سوتے ہیں۔

اپنے وطن یا گھر کے اندر کی حفاظت، گھر کے اندر کی دیکھ بھال اور گھر کے اندر امن چین قائم کرنے کے لیے اتحاد کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے سے محبت کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کا احترام کرنے کی ضرورت ہے۔ اپنے فائدے پر دوسرے کے فائدے کو ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ جب ہم یہ سب کرلیں گے، سارا گھر خوش اور خوش حال ہوگا اور محفوظ ہو جائے گا اور باہر کے کسی آدمی کی اتنی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ اس گھر میں داخل ہو سکے۔

ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ پہلے اپنے گھروں کے اندر امن چین قائم کیا۔ جب امن ہوتا ہے تو کسی کی کبھی اتنی جرات نہیں ہوتی کہ وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ یہ مہینہ ہمارے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے بہادروں اور جوانوں نے مشکل وقت میں کس طرح اپنے گھر، اپنے وطن کی حفاظت کی تھی۔ کس طرح اپنا دفاع کیا تھا۔ ان کے سنہری کارنامے تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے گئے ہیں اور یہ ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے کہ وطن کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔ (ستمبر ۱۹۸۸ء)

وطن سے محبت کا تقاضا

وطن کی محبت ہر دل میں ہوتی ہے، لیکن اس کا اظہار ہر وقت نہیں ہوتا۔ آدمی کو بعض وقت خود بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کو اپنے وطن سے کتنا لگاؤ اور تعلق ہے۔ کبھی آدمی وطن سے دور ہوتا ہے اور معاش کے لیے یا کسی اور کام کے لیے وہ دوسرے ملک جاتا اور وہاں رہتا ہے تو اس کو وطن کی یاد ستاتی ہے، وطن کی اور اہل وطن کی باتیں، خوبیاں اور آسانیاں یاد آتی ہیں تو اس کے دل میں

وطن کی محبت جاگ اٹھتی ہے۔

اسی طرح جب وطن کے خلاف کوئی دشمن' چاہے وہ وطن کے اندر ہو یا باہر' کوئی حرکت کرتا ہے تو اس وقت ہر محب وطن بے چین ہو جاتا ہے۔ پاکستان کو جب بھی کسی بیرونی حملے کی آزمائش سے گزرنا پڑا' ہر پاکستانی کی سوئی ہوئی محبت ابھر آئی اور اس نے اپنا پیسہ' اپنا مال اور اپنی جان تک لڑا کر وطن عزیز کو بچانے کی جنگ لڑی۔ دفاع پاکستان کی جدوجہد میں قوم کا بچہ بچہ شریک ہوا۔ یہ جذبہ قابل قدر ہی نہیں' قابل فخر بھی ہے کہ پاکستان کو بچانے کے لیے ہماری بہادر فوج کے ساتھ ساتھ عام شہری بھی سپاہی بن گیا۔

لیکن اسی کے ساتھ اور اتنی ہی اہم یہ بات بھی ہے کہ جنگ کے علاوہ بھی پاکستان کا ہر شہری اپنے پیارے وطن کی حفاظت کرے اور پاکستان کو ہر قسم کے نقصان سے بچانے کی کوشش کرے۔ کوئی ایسا کام نہ کرے جو پاکستان کے لیے کسی لحاظ سے بھی نقصان دہ ہو۔ اپنے فائدے پر پاکستان کے فائدے کو ترجیح دے۔ کسی پاکستانی سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو کسی دوسرے پاکستانی کے لیے تکلیف' پریشانی یا مشکل کا باعث ہو۔ وطن کی محبت کا تقاضا ہے کہ اپنے ہم وطنوں کی مدد کی جائے اور خدمت کی جائے۔ (ستمبر ۱۹۹۰ء)

پاکستان سے محبت کرو' پاکستان کی تعمیر کرو

اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان بننے کے بعد جو بچے پیدا ہوئے وہ اب جوان ہیں' تعلیم حاصل کر چکے ہیں' اپنی اپنی پسند کے میدانوں میں مصروف عمل ہیں اور پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں۔ اسی طرح آج جو بچے ہیں وہ کل جوان ہوں گے اور علم کے زیور سے آراستہ ہو کر اپنے پیارے وطن کی خدمت میں لگ جائیں

گے۔ کوئی شک نہیں کہ ہمارے پاکستان کو مشکلات پیش آئیں، ہمیں کچھ تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور اب بھی کچھ مسئلے ہیں، کچھ دشواریاں ہیں، لیکن ان شاء اللہ یہ بھی دور ہو جائیں گی۔ دور کون کرے گا؟ کوئی باہر سے آکر ہمارے مسئلے حل نہیں کرے گا۔ ہم خود ہی کریں گے۔ یہ ہمارے مسئلے ہیں۔ ان کو کوئی دوسرا کیوں حل کرنے لگا۔ ہمیں خود ہی حل کرنے پڑیں گے۔

زندگی میں جو بھی مشکل پیش آتی ہے وہ ہمت اور محنت ہی سے دور ہوتی ہے۔ کم ہمتی اور بے عملی سے کوئی مشکل آسان نہیں ہوتی۔ گھبرانے اور مایوس ہونے سے کوئی پریشانی ختم نہیں ہوتی۔ اگر انسان میں حوصلہ ہو تو وہ ہر طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہم نے جس محبت سے پاکستان بنایا تھا، اسی محبت سے پاکستان مضبوط بن سکتا ہے۔ اسی محبت سے پاکستان ترقی کر سکتا ہے۔ یہی محبت ہم سب کو پاکستان کی خدمت اور ترقی کے لیے ایک دل اور ایک جان کر سکتی ہے۔ پاکستان ماشاء اللہ بڑا ملک ہے۔ اس میں کئی صوبے ہیں، کئی زبانیں بولنے والے رہتے ہیں، مگر ہیں سب پاکستانی اور ہر پاکستانی دوسرے پاکستانی کا بھائی ہے۔ بھائی اپنے کسی بھائی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔

آؤ عہد کریں کہ پاکستان سے محبت کریں گے اور پاکستان کی تعمیر کریں گے۔

(مئی ۱۹۸۵ء)

اب پاکستان تمہارا ہے

آزادی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ انسان تو انسان، جانور بھی آزادی چاہتا ہے۔ کسی جانور کو قید کر لیا جائے اور چاہے کتنا ہی آرام پہنچایا جائے، لیکن اس کی روح بے چین رہتی ہے اور وہ اپنی آزادی چھن جانے کے غم

میں پریشان رہتا ہے۔ ہم دو سو سال تک غیر قوم کی غلامی بھگتنے کے بعد ۱۳۶۶ ہجری (۱۹۴۷ عیسوی) میں آزاد ہوئے۔ یہ آزادی ہمیں ایک دن میں حاصل نہیں ہوئی۔ کم و بیش سو سال کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ ہمارے رہنماؤں نے اپنی عقل، علم اور قربانی سے انگریزوں کو اپنے ملک سے چلتا کیا تھا۔ لاکھوں عوام نے جان و مال کی بے مثال قربانی دی اور پاکستان بنایا۔ پاکستان کیوں بنایا تھا؟ اس لیے کہ ہم یہاں اپنے عقیدے اور اپنی تہذیب کے مطابق ترقی کرنے میں بالکل آزاد ہوں اور ملک کی ترقی اور خوش حالی کا فائدہ سب کو حاصل ہو۔ اسلام کے اخوت، مساوات، انصاف اور جمہوریت جیسے زرّیں اصولوں کے مطابق زندگی کا کاروبار چلائیں۔ سب کو انصاف ملے۔ ہر ایک کو اس کا جائز حق اور خوش حالی میں اس کا پورا حصہ ملے۔ پاکستان کو بنے ۴۲ سال ہوگئے۔ اس آزاد زندگی میں ہم نے بہت اچھے اچھے کام کیے۔ ملک نے ترقی کی۔ تعلیم عام ہوئی، صنعت پھلی پھولی، لیکن اس کے باوجو ہم آزادی کی بہت سی نعمتوں سے اب بھی محروم ہیں۔ وہ نعمتیں ہیں محبت، تعاون، بھائی چارہ، انصاف، ہمدردی اور خوشی۔

سوچو کہ ایسا کیوں ہے؟ اپنے بڑوں سے پوچھو اور جب تمھیں اصل وجہ معلوم ہو جائے تو اس کو دور کرو اور آزادی کی ان نعمتوں کو حاصل کر کے چھوڑو۔ اب پاکستان تمھارا ہی ہے۔ تمھیں ہی اس میں رہنا ہے، اس کو بنانا ہے اور اس کی ترقی کے پھل کھانے ہیں۔ (اگست ۱۹۸۹ء)

اب سوچنا ہے

آج سورۂ بقرہ کی دو تین آیات کا ترجمہ سنو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ وعدہ لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی

عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ، رشتے داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔ پھر ذرا یاد کرو، ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا، تم نے اس کا اقرار کیا تھا، تم خود اس پر گواہ ہو، مگر آج وہی تم ہو کہ اپنے بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو، اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے گھر کر دیتے ہو، ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو۔" (ترجمہ آیت ۸۳، ۸۴، ۸۵)

نونہالو! اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بار بار پڑھو۔ اپنے بھائی بہنوں، اپنے والدین، بزرگوں اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر ان آیتوں کو خوب غور سے پڑھو۔ کیا اس وقت ہماری حالت یہی نہیں ہے؟ کیا ہم نے اللہ سے کیا ہوا عہد بھلا نہیں دیا؟ کیا ایک دوسرے کا خون نہیں بہا رہے؟ کیا ہم ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہیں کر رہے؟ یہ ہم سب کے سوچنے کا وقت ہے۔ اس سے پہلے کہ اس سے زیادہ بُرا وقت آئے، ہمیں کچھ کرنا چاہیے، ان حالات کو بدلنے کے لیے، اپنی اصلاح کے لیے۔ یہ سوچنا چھوڑ دو کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ نہیں، ہم میں سے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ سب سے پہلے اپنے آپ پر غور کرنا، اپنے آپ کو بدلنا چاہیے، پھر اپنے قریب کے لوگوں کو سمجھانا چاہیے کہ وہ بھی معاشرے کی اصلاح کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کریں۔ (اگست ۱۹۹۸ء)

ہر پاکستانی اپنا بھائی ہے

بڑے آدمی وہ ہوتے ہیں جو بڑے کام کرتے ہیں اور یہ بڑے کام انسانوں کی

خوشی، راحت اور فائدے کے لیے ہوتے ہیں۔ اچھی اور مفید کتابیں لکھنے والے بھی اچھے اور بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال بھی ایسے ہی بڑے آدمی تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے قوم کو جگایا، عمل اور اعتماد کا پیغام دیا اور پاکستان کا ابتدائی تصور پیش کیا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح بھی بہت بڑے آدمی تھے۔ انھوں نے ہندستان کے مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھایا، ان کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کر کے پاکستان کا مطالبہ کیا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس مطالبے کو منوایا اور پاکستان بنا دیا۔

ہندستان کے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے غلبے سے نجات دلانے اور ان کی اپنی آزاد حکومت بنانے کے لیے پاکستان قائم کر کے قائدِ اعظم نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا۔

تم جانتے ہوگے کہ پاکستان بننے سے پہلے ہندستان ایک بڑا ملک تھا۔ اس میں وہ حصے بھی شامل تھے جو اب پاکستان اور بنگلہ دیش کہلاتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے ہندستان کے مسلمانوں کے لیے جو پاکستان بنایا تھا اس میں بنگلہ دیش بھی شامل تھا۔ افسوس! بنگلہ دیش اب ہم سے الگ ہو چکا ہے۔ گویا قائدِ اعظم نے ہمیں جو پاکستان دیا تھا وہ اب آدھا رہ گیا ہے۔ ہم نے قائدِ اعظم کی امانت کی پوری حفاظت اور قدر نہیں کی۔ انسان جس چیز کی قدر نہ کرے وہ اس سے چھن جاتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پاکستان کی قدر کریں، اس کو مضبوط بنائیں۔ پاکستان اسی وقت مضبوط ہوگا جب ہم مل جل کر، پیار اور محبت سے رہیں۔ ہر پاکستانی کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس کی خدمت اور مدد کریں۔ ایک پاکستانی اگر دوسرے پاکستانی بھائی کی مدد کرتا ہے تو وہ گویا پاکستان کی خدمت کرتا ہے۔ پاکستان میں رہنے والا ہر شخص چاہے وہ کوئی زبان بولتا ہو، پاکستان کے کسی حصے میں رہتا ہو، پاکستانی ہے اور

ہمارا عزیز بھائی ہے۔ (دسمبر ۱۹۹۳ء)

صحت مند نوجوان، صحت مند پاکستان

انسان کا انسان کے ہاتھوں قتل بدترین حیوانیت ہے۔ یہ انسانوں کا فعل نہیں ہے۔ یہ انسانیت سوزی ہے۔ یہ قتل و غارت ذہنی اور جسمانی بیماری ہے۔ یہ افلاس فکر ہے اور یہ ذہنی صحت کی کمزوری ہے۔

آدمی کو جب انسان ہونا میسر نہیں آتا تو وہ روحانی طور پر بیمار ہو جاتا ہے اور یہ روحانی بیماری اس کے جسمانی نظام کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔

میرے وطن کے نوجوانو! اپنی صحت پر توجہ کرو۔ صحت کے اصولوں کی پابندی کرو اور اعتدال اور قناعت کو رہنما بناؤ۔

پاکستان سے محبت کرو۔ تعمیر پاکستان کو مقصد حیات بناؤ۔ پھر تمہاری آزادی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ صحت مند نوجوان -- صحت مند پاکستان۔

(اگست ۱۹۹۵ء)

عمل اور قانون

چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ نیکی دیکھ کر نیکی کرنے کی ترغیب ہوتی ہے، اسی طرح برائی دیکھ برائی کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ اصل چیز عمل ہے۔ عمل کا اثر قول سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ عمل نہ ہو، صرف قول ہو تو کوئی فائدہ نہیں۔ برائیوں سے بچنے بچانے کے لیے صرف وعظ و نصیحت کافی نہیں ہوتے بلکہ قانون بنا دینا بھی کافی نہیں ہوتا۔ قانون کتنا ہی عمدہ ہو، اگر اس پر عمل نہ کیا جائے اور

نہ کرایا جائے تو قانون بے کار اور بے اثر ہو جاتا ہے۔

آج کل ہمارے ملک میں یہی ہو رہا ہے۔ اصلاح اور ترقی کے لیے نئے اور اچھے قانون بنائے جا رہے ہیں۔ اسلامی قوانین بھی نافذ کیے جا رہے ہیں، لیکن ان پر عمل کتنا ہوتا ہے اور کتنے لوگ کرتے ہیں، یہ سب کو معلوم ہے۔ عمل کے بغیر یہ قانون بے اثر ہو رہے ہیں۔ وہ قانون مفید ہوتا ہے جس پر لوگ دل سے عمل کرنا چاہیں۔ اگر لوگوں کی اکثریت عمل نہ کرنا چاہے تو زبردستی ان سے عمل کرانا مشکل ہوتا ہے اور وہ سب مل کر اس قانون کو بے مقصد بنا دیتے ہیں۔

قانون بنانے سے پہلے لوگوں کو اس کے لیے تیار کرنا چاہیے۔ اچھی تعلیم دینی چاہیے۔ ماحول پیدا کرنا چاہیے۔ قانون پر عمل کرانے والے اداروں کو مستعد بنانا چاہیے۔ قانون پر عمل کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کو دور کرنا چاہیے۔

قانون کا مقصد لوگوں کو صحیح راستے پر چلنے میں مدد دینا اور اچھے عمل کرنے کی آسانیاں پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو قانون کا مذاق اڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ (دسمبر ۱۹۹۱ء)

سوچنے کی باتیں

۲۷ رمضان المبارک کو پاکستان عالم وجود میں آیا تھا۔ قرآن حکیم کا نزول بھی رمضان المبارک ہی میں شروع ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بھی یہ مہینہ ہمارے لیے نہایت اہم اور متبرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں ہمیں آزادی عطا کر کے یہ موقع عطا فرمایا کہ ہم اپنے آزاد وطن کو اس کے احکام کے مطابق اس کے بندوں کے لیے راحت اور امن کا ذریعہ بنائیں، مگر کیا ہم نے ایسا کیا؟ کیا ہم نے پاکستان

کو امن و آشتی کا گہوارہ بنایا؟ کیا ہم نے آپس میں پیار اور محبت کا ثبوت دیا؟ کیا ہم نے اپنی حکومت کو لوگوں کی بھلائی کے لیے استعمال کیا؟ کیا ہم نے ایسے قوانین بنائے اور ان پر عمل کیا جن سے عام آدمی اچھی، سچی اور آسان زندگی گزار سکے؟ ان سوالوں کے جواب تو بڑوں کے ذمے ہیں، لیکن نونہالوں کو بھی یہ باتیں سوچنی چاہییں تاکہ آگے چل کر کم سے کم وہ ان سوالوں کے جوابات اقرار میں دے سکیں اور پاکستان سچا پاکستان بن سکے۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں پاکستان قائم کرنے کی تجویز ہمارے رہ نماؤں نے منظور کی تھی۔ یہ تاریخ یوم عزم تھی اور چوں کہ ارادہ پکا اور سچا تھا اس لیے صرف سات سال کے عرصے میں پاکستان بنا ڈالا۔ ہمارے بزرگوں کا یہ ہم پر بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے ہمیں ایک ایسا ملک دیا جو اس وقت سب سے بڑا مسلمان ملک تھا اور دنیا کا پانچواں بڑا ملک۔ افسوس کہ اب یہ بات نہیں رہی۔ اب ہمارا ملک آدھا رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھے اور اس کے رہنے والوں کو امن، سکون، ترقی اور خوش حالی عطا کرے۔ (مارچ ۱۹۹۲ء)

تم پاکستان کو نہ بھُلانا

پاکستان ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ ہجری کو دنیا کے نقشے پر ابھرا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام تھا۔ کس بات کا انعام؟ اس بات کا کہ ہم نے عہد کیا تھا ہم پاکستان میں اللہ کی حکومت قائم کریں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے آسانیاں پیدا کریں گے۔ یہاں عبادت کی سہولت ہوگی۔ یہاں رزق حلال کی آسانی ہوگی۔ یہاں انسان امن، آشتی اور پیار محبت سے رہیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پاکستان ہمیں رمضان کے مبارک مہینے میں عطا کیا اور رمضان کی بھی

کون سی تاریخ! ۲۷ ویں شب -- شب قدر، یوم نزول قرآن، برکتوں اور رحمتوں کا دن۔ ورنہ انگریز کو کیا پڑی تھی کہ وہ آزادی دینے کے لیے رمضان کی یہ عظیم تاریخ چنتا۔ اللہ میاں نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو یہاں سے رخصت ہو جائے۔ اگر وہ ۱۴ کے بجائے ۱۸ اگست مقرر کرتا تو رمضان شریف رخصت ہو جاتے۔

میں نے یہ نکتہ اس لیے نونہالوں کے سامنے وضاحت سے پیش کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان کو، اتنے عظیم انعام کو، اتنی اعلا نعمت کو بھلانا بہت خراب بات ہے۔ ہم نے اب تک پاکستان میں جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو بھلانے کے برابر ہے۔

تو نونہال دوستو! ہم بڑوں نے بھلایا ہے، تم نہ بھلانا۔ تم پاکستان میں بہت اچھا نظام قائم کرنا، ایسا نظام جس میں انصاف ہو، جس میں ہر ایک کے کام رشوت کے بغیر اور سفارش کے بغیر ہوں، جس کا جو حق ہے وہ اس کو بن مانگے ملے، جو چھوٹا ہو اس کو بڑوں کے سہارے کی ضرورت نہ ہو۔ جس میں قابلیت ہو اس کو عزت ملے، جس میں اخلاق ہوں اس کو عظمت ملے اور سب اپنا اپنا فرض خوشی خوشی پورا کریں۔

نونہالو! اللہ کرے تم ایسا پاکستان بناؤ۔ (اگست ۱۹۹۲ء)

آزاد ملک میں ہمارا فرض

پاکستان بنا تو ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ ہجری تھی، لیکن ہم نے یہ مقدس تاریخ بھلا کر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ عیسوی یاد رکھی۔ خیر یہی تاریخ سہی، لیکن یہ تو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم آزاد ہو گئے ہیں اور اب ہمیں آزادی کی حفاظت کرنی ہے اور آزاد

لوگوں کے طور طریقے اختیار کرنے ہیں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے پاکستان کیوں بنایا تھا۔

ہم نے پاکستان اس لیے بنایا تھا کہ ہمیں غلامی اچھی نہیں لگتی تھی اور ہم دوسروں کے غلام ہو کر رہنا نہیں چاہتے تھے۔ آزادی اس لیے ضروری تھی کہ ہم اپنی مرضی کا قانون بنا اور چلا سکیں۔ ہم مسلمان ہیں' اس لیے ہمارا قانون اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔

آزاد ملک میں ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے پیارے نبیؐ کی رہ نمائی اور نمونے کے مطابق حکومت چلائیں۔ حضورؐ کی تعلیم کے مطابق اگر ہم قانون اور حکومت چلاتے تو ہمارے سارے کام اچھے ہوتے اور ہم آج جس پریشانی اور بد امنی میں گھرے ہوئے ہیں ان سے محفوظ رہتے۔

صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اس کو بھولا نہیں کہتے۔ اب بھی اگر ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھ کر اپنے حالات کو بدلیں اور ایسے لوگوں کو اپنا نمائندہ بنائیں جو حضورؐ کی پیروی کو اپنے لیے فخر کا باعث سمجھتے ہوں اور جن میں دیانت اور امانت کے اسلامی اصولوں پر چلنے کا جذبہ ہو تو ہمارا پاکستان اب بھی ترقی و خوش حالی کا نمونہ بن سکتا ہے۔

(اگست ۱۹۹۴ء)

حاکمِ وقت کا فرض

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے سناٹوں میں شہر کا گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے برتن کھڑکنے اور نونہالوں کے رونے کی آوازیں آئیں۔ خلیفۂ وقت دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ماں سخت بھوکے نونہالوں کو

دلاسا دے رہی تھی کہ بس کھانا اب پکا' اب پکا۔ آواز خالی برتنوں کی تھی۔ خلیفہ وقت اجازت لے کر اندر گئے۔ دیکھا کہ چولھے پر خالی برتن ہے اور ماں خواہ مخواہ چمچہ چلا رہی ہے۔

"کیا ماجرا ہے؟" خلیفہ نے پوچھا۔

ماں نے کہا کہ آج اناج نہیں ہے۔ بھوکے بچوں کو دلاسا دے رہی ہوں۔ شاید سو جائیں۔ خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے چین ہوگئے۔ بیت المال سے اناج کی بوری اپنے کاندھوں پر لاد کر لائے اور عورت کو دے دی۔

کیا ہم اپنے ماحول میں بھوکوں کا حال پوچھتے ہیں؟ (اپریل ۱۹۹۶ء)

اپنے ووٹ کی اہمیت جانیے

انسان جب کوئی بڑا کام کرتا ہے تو پہلے خوب سوچتا ہے' سمجھتا ہے' اپنوں سے مشورہ کرتا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی فیصلہ نہیں ہوتا تو اور زیادہ لوگوں سے مشورہ کرتا ہے' لیکن ملک میں جب عام انتخابات یا الیکشن ہوتے ہیں تو ہم میں سے بہت سے لوگ زیادہ غور نہیں کرتے' گویا ہم اپنے ووٹ کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔

۳ فروری ۱۹۹۷ء کو پورے پاکستان میں انتخابات ہونے والے ہیں۔ ان انتخابات کے ذریعے سے ہمیں ان لوگوں کو منتخب کرنا یا چننا ہے جو آیندہ پانچ سال تک حکومت کریں گے یعنی پاکستان کا انتظام چلائیں گے اور عوام کی سہولتوں اور فائدوں کے کام کریں گے' لیکن اگر انتخابات میں وہ لوگ جیت گئے جو اچھا انتظام کرنا نہ جانتے ہوں یا جنھیں ملک کی ترقی اور عوام کی بھلائی کی فکر نہ ہو یا جو اپنے اور اپنوں کے فائدے کو زیادہ دیکھتے ہوں تو کیا ہوگا؟ یقیناً ہمارا نقصان ہوگا' پاکستان کا نقصان ہوگا' مہنگائی ہوگی' بد امنی ہوگی' عوام پریشان ہوں گے۔

اس لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ابھی سے ہوشیار رہیں اور اپنا ووٹ صرف اچھے لوگوں کو دیں، ان لوگوں کو جو تعلیم یافتہ ہوں، اہل ہوں، دیانت دار ہوں، سچے ہوں، وعدے کے پکے ہوں، عوام سے محبت رکھتے ہوں، ہمدرد ہوں۔

اگر کوئی ایسا آدمی انتخابات میں کھڑا ہو رہا ہو جو سچا اور کھرا نہ ہو، جس کو دین اور ملک سے محبت نہ ہو تو چاہے وہ آپ کا جاننے والا ہو، چاہے وہ آپ کی برادری کا ہو یا عزیز ہو، آپ اس کو ہرگز ووٹ نہ دیں۔

میں چاہتا ہوں کہ نونہال ابھی سے یہ باتیں سمجھ لیں اور دل میں بٹھا لیں تاکہ جب وہ بڑے ہو جائیں اور انھیں ووٹ دینے کا حق ملے تو وہ اپنا ووٹ صرف صحیح آدمی کو دیں اور بہترین آدمیوں کو چن کر حکومت کی ذمے داری سپرد کریں۔ صرف اسی طرح ہم پاکستان میں سچا، اسلامی اور جمہوری نظام قائم کر سکتے ہیں۔

(جنوری ۱۹۹۷ء)

وہ بھی کیا دن تھے

حکیم محمد سعید کے بچپن کی یادیں

بڑے لوگوں کی زندگیاں قابلِ رشک بھی ہوتی ہیں اور قابلِ تقلید بھی۔ ان کے حالاتِ زندگی پڑھنے اور کچھ سیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ حکیم محمد سعید کی شخصیت بھی ایسی ہی ہے جو دوسروں کے لیے قابلِ مطالعہ اور سبق آموز ہے۔

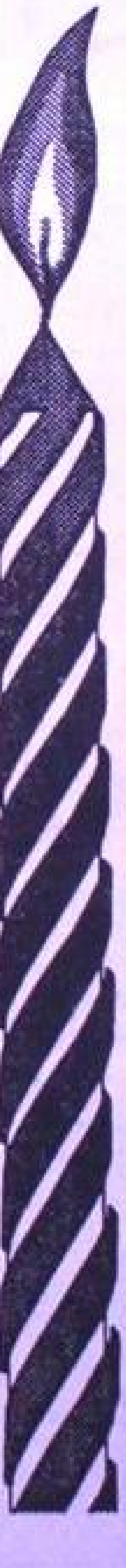
کتاب "وہ بھی کیا دن تھے" حکیم صاحب کے خود لکھے ہوئے اپنے بچپن کے حالات پر مشتمل مضامین کا مجموعہ ہے جو ہمدرد نونہال میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے ہیں

مرتبہ : مسعود احمد برکاتی

یہ کتاب نوجوانوں کے لیے بھی اتنی ہی ولولہ انگیز ہے
جتنی نونہالوں کے لیے حوصلہ افزا

حکیم صاحب کے بچپن کی تصویر کا دیدہ زیب ٹائٹل

صفحات ۶۴ ------ قیمت پچیس رپے



نونہال ادب

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، کراچی

بچوں کے حکیم محمد سعید

حکیم محمد سعید کی زندگی کی کہانی خود ان کی زبانی

نونہالوں سے حکیم محمد سعید صاحب کے پیار کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں نونہال اپنی محبوب شخصیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کے لیے طرح طرح کے سوال کرنے لگے۔ ہمارے ملک کے نونہال بڑے سمجھ دار ہیں۔ وہ یہ راز حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ حکیم صاحب نے کیا کیا کام کیے جن کی وجہ سے انھوں نے اتنی ترقی کی۔

نونہالوں کے اس محبت بھرے تقاضے کو حکیم صاحب نے ٹالنا پسند نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی کی تمام باتیں صاف صاف اور مزے لے لے کر بیان کردیں۔ انھوں نے یہ تک لکھ دیا کہ ایک بار ان کی والدہ صاحبہ نے انھیں دستر خوان سے اٹھادیا۔ انھوں نے اپنی آمین کی تقریب کی مزے دار کہانی بھی لکھی ہے۔ انھوں نے اپنا بچپن، اپنی تعلیم، کھیل، تحریک پاکستان، پاکستان میں ہمدرد کے قیام اور مدینتہ الحکمت کے منصوبے تک تمام باتیں دل چسپ انداز میں لکھ دی ہیں۔

"بچوں کے حکیم محمد سعید" ایک مستند کتاب ہے جسے بچوں کے علاوہ بڑے بھی دل چسپی سے پڑھیں گے۔ رنگین اور دیدہ زیب ٹائٹل کے علاوہ اس میں جناب حکیم محمد سعید کی بارہ سال عمر کی ایک فوٹو بھی ہے۔